

تَصَانِيفُ أَحْمَدِيَّة

حصہ اول جلد اول

مشمولہ

کتب و رسائل مذہبی

سنہ ۱۳۱۳ ہجری

علیحدہ انسٹیٹیوٹ پریس میں باہتمام لالہ کلب رائے چھپی

سنہ ۱۸۸۳ ع

سنہ ۱۲۰۰ ہجری

فهرست

کتاب و رسائل جو اسی جلد میں شامل ہیں

نام کتاب	صفحہ
(۱) — جلاء القلوب بذكر المحبوب	۳ ...
(۲) — تحفہ حسن — یعنی ترجمہ باب دہم تحفہ اثنا عشریہ متعلق مطاعن حضرت ابوبکر و ترجمہ باب دوازدهم — تولا و تبرا	۲۴ ...
(۳) — کلمۃ الحق — در بیان حقیقت پھری و مریدی	۷۸ ...
(۴) — راہ سنت در رد بدعت	۹۴ ...
(۵) — نمیقہ — در بیان مسئلہ تصور شفیخ بزبان فارسی	۱۳۸ ...
(۶) — ترجمہ دیباچہ و دو سہ فصل از کیمیائے سعادت	۱۴۴ ...
(۷) — تبیین الکلام حصہ اول — یعنی مقدمات عشرہ تفسیر توریت و انجیل	۱۵۶
(۸) — تبیین الکلام حصہ دوم — یعنی تفسیر یازدہ باب توریت	۳۰۲ ...



تَصَانِيفُ أَحْمَدِيَّةَ

حصه اول

مشمول بز کاتب و رسایل مذهبی

تہدیک

بہت لوگ ہیں جو دنیا کے انقلابوں کو دیکھتے ہیں، اور کم ہیں جو اُس پر غور کرتے ہیں مگر بہت کم ہیں جو خود اپنے خیالات کے انقلابوں کو دیکھیں اور اُن کے سببوں کو سمجھیں سوچیں — اگر کوئی شخص اپنی تمام زندگی کی باتوں کو یاد کرے اور سمجھے تو جانیکا کہ اُس کے خیالات میں ایسے عجیب عجیب انقلاب ہوئے ہیں کہ ویسے دنیا کی کسی اور چیز میں نہیں ہوئے — اگر پہلا خیال بغیر سوچے سمجھے تقلید و اعتقاد و تمدن و معاشرت کی وجہ سے قائم ہوا تھا، پھر اُسی طرح اور اُنہی اسباب سے اُس میں انقلاب ہوا ہی، تو خیال ہوسکتا ہی کہ دونوں بیہودہ اور بے بنیاد تھے، اور اگر ان دونوں کے لینے یا دونوں میں سے ایک کے لینے کوئی معقول بنا تھی، تو اُس کے سببوں پر غور کرنا اور اُسبات کو سمجھنا کہ پہلے خیالات کس بات پر مبنی تھے، اور حال کے خیالات کس پر مبنی ہیں، اور ان دونوں بناؤں میں سے کون سی بنا زیادہ تر سچ اور زیادہ تر مستحکم ہی، انسان کے لینے نہایت مفید ہی *

دنیا کے تمام خیالوں میں مذہبی خیال ایسا ہی جو انسان کے دل پر سب سے زیادہ اثر کرتا ہی — بہت کم برائیاں (جو دنیا میں عموماً برائیاں مان لی گئی ہیں) ایسی ہونگی جن کا کرنے والا کبھی نہ کبھی اُن کی برائی کو خیال نہ کرے، مگر یہ مذہبی خیال ایسا ہی، کہ اُسکے سبب سے انسان ہزاروں برائیاں کرتا ہی، اور پھر کبھی اسکو برا نہیں سمجھتا، ایسے خیال میں کسی قسم کا انقلاب پیدا ہونا سب سے زیادہ توجہ کے قابل ہی *

گو مجھکو علمی لیاقت کچھ نہیں ہی، اور میرا درجہ ایک جاہل آدمی سے شاید ہی کچھ زیادہ ہو، لیکن اللہ پن ہی سے سوچنے والی طبیعت تھی — جب حیوانی زندگی سے طبیعت نے دوسری طرف پلٹا کھایا، تو اُسکی کروت بجز مذہبی کروت کے اور کیا ہوسکتی تھی — اور وہ پہلو بجز اُس پہلو کے جو عالم تھا اور جس پر سب کا یقین تھا اور کیا ہوسکتا تھا، مگر سوچنے والی طبیعت ہر دم ساتھ تھی، اور وہی تمام انقلابوں کا باعث ہوئی، اور اُسی نے اُس سچائی تک پہنچایا جس کو میں تہمت اسلام یقین کرتا ہوں، گو کہ رسمی مسلمان اُس کو تہمت کفر سمجھتے ہوں — اِس عرصہ میں متعدد مذہبی کتابوں کے لکھنے کا اتفاق ہوا جو ہر ایک وقت کے خیالات کے مطابق ہیں، اُن سب کا بہ ترتیب جمع کرنا گویا اُن تمام زمانوں کے خیالات کو بہ ترتیب سامنے رکھنا ہی، جس سے شاید خود مجھکو اور آئندہ آنے والی نسلوں کو فائدہ ہو — پس میں اپنی تصنیفات کے اِس حصہ میں مذہبی کتابوں اور رسالوں کو ایک جگہ جمع کرتا ہوں *

بسم الله الرحمن الرحيم

جلال القلوب بذكر المكسوب

مؤلفہ سنہ ۱۲۵۸ ہجری مطابق سنہ ۱۸۴۲ ع

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيدنا محمد خاتم المرسلين و اله الطيبين الطاهرين و اصحابه نجوم الدين - افضل الاذكار ذكر النبي صلى الله عليه وسلم - دنيا ميں سب سے اچھی یہ بات ہے کہ اپنے پیارے نبی کا ذکر کیجیئے، اور ہر دم اُس کے نام پر ہم دیتے ہیں،

بیت

دل و جانم فدایت یا محمد * سر من خاک پایت یا محمد
اللهم صلى على محمد و آل محمد، سبحان الله کیا ذات پاک رسول رب العالمین ہے کہ
اُسکے جمال با کمال سے عالم مژور ہوا، اور اُسکے قدوم میمنت لزوم کی برکت سے زمین نے
آسمان پر ناز کیا —

نظم

محمد کفرینش هست خاکش * هزاراں آفرین بر جان پاکش
چراغ افروز چشم اہل بینش * طراز گار گاہ آفرینش
سر و سر خیل میداں وفا را * سپہ سالار و سرخیل انبیارا
موقع برکش نر مادہ چند * شفاعت خواہ کار افتادہ چند
ریاحین بخش بان صبحگاہی * کلید محتزون گنج الہی

صل علی، کیوں نہ ہم ناز کریں اپنے مقبول نبی پر، جسکی اُمت میں ہونے کی نییور =
آرزو کی، اور اُس کی دوبانی فرشتوں نے چاہی —

نماند بعضیاں کسی درگزر * کہ دارد چنین سید پیشور

اللہ تعالیٰ نے اُس کا نام نبی الرحمة رکھا، اور اُس کے تئیں اُمت کی شفاعت کا اختیار دیا،
اُسکے اشارہ سے شق القمر ہوا، اُس کی ذات پاک سے چراغ ہدایت روشن ہوا، مؤدہ ہو کہ
ہمارے جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم شریف محمد ہے یعنی اللہ اور جمع
مستحلوقات کا ممدوح۔ اللهم صل وسلم علی محمد و آل محمد - اور آپ کے والد ماجد کا نام

عبد اللہ اور آپ کے دادا کا نام عبدالمطلب اور آپ کے پردادا کا نام ہاشم ہی اور آپ کی جذاب والدہ ماجدہ کا اسم مبارک آمنہ بنت وہب ہی کہ وہ بھی قریشی ہیں *

بیان ولادت

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ربیع الاول کے مہینہ میں پیر کے دن پیدا ہوئے ہیں، اللہم صل وسلم علی محمد و آل محمد - جس رات کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہور فرمایا انوار الہی ظاہر ہوئے اور کسری کہ کافروں میں بہت بڑا عظیم الشان بادشاہ تھا اور ہزاروں برس سے اُس کے گھرانے میں بادشاہی چلی آتی تھی اُسکا معدل لڑ گیا اور چونہ کنگورے اُسکے گر پڑے (بیت)

چو صیتش در افواہ دنیا فتاد * تزلزل در ایوان کسری فتاد

اور فارس کا آتشکدہ کہ ہزار برس سے اُس میں آگ جلتی رہتی تھی اور فارس کے آتش پرست اُسی کو پوجا کرتے تھے دفعۃً بجھ گئی اور سارے کے چشمہ میں ایک بوند پانی نہرا، حلیمہ † بنت ابی ذریب اور ‡ ثویبہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا اور ام ایمن § نے آپ کو پالا - اللہم صل وسلم علی محمد و آل محمد - جب کہ آپ کا سن مبارک چار برس کا ہوا آپ کی والدہ ماجدہ نے انتقال فرمایا اور آپ کے والد ماجد آپ کے پیدا ہونے سے پہلے رحلت فرما چکے تھے اور عبدالمطلب آپ کے دادا آپ کی پرورش کرنے لگے، جب کہ آپ آٹھ برس اور دو مہینے کے ہوئے آپ کے دادا نے بھی رحلت فرمائی، پھر ابوطالب آپ کے چچا نے آپ کی پرورش کی - اللہم صل وسلم علی محمد و آل محمد - اور جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سن مبارک بارہ برس دو مہینہ دس روز کا ہوا اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ آپ نے شام کی طرف سفر کیا، جب بصری || میں پہنچے ایک نصرانی فقیر نے کہ اُسکا نام ¶ ہتھیرا تھا آپکو دیکھا اور جو پتے کہ کتابوں سے اُسکو

† حلیمہ مدنیہ - سب دردہ پلانے کے آپ کی ما ہیں آپ انکی بہت تعظیم کیا کرتے تھے چنانچہ ایک دفعہ حنین میں آپ کے پاس آئیں اب اونٹ اور اونٹنی چاند انکے لیٹے بھائی اور وہ اُچر بیٹھیں - ‡ ثویبہ ابی اہب کی لونڈی ہیں اور آپ کو اور حضرت حمزہ کو دودھ پلایا ہی اور اب انکی بھی تعظیم کرتے تھے -

§ ام ایمن ان کا نام دردہ ہی پہلے عبید حبشی کے نکاح میں تھیں اُس سے ایمن لڑکا پیدا ہوا اور اسطے ام ایمن کہنے لگے بعد اُسکے زید بن حارث سے نکاح کیا اور ان سے اُسامہ پیدا ہوئے اس واسطے ام اُسامہ بھی کہتے ہیں اور آپ اُنکو ما کہتے تھے اور ہمیشہ اُن کے گھر جاتے تھے اور حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر بھی ان کے گھر زیارت کو جایا کرتے تھے -

|| بصری - کھدای - شام کے پاس ایک شہر ہی -

¶ ہتھیرا - امام نصرانی میں سے تھا کہ جب چیز چور ہو کر گوشہ اختیار کیا تھا -

معلوم تھے اُن سے پہچانا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے حاضر ہو کر آپ کا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ ”یہ اللہ تعالیٰ کا رسول ہی اور خدا تعالیٰ آپکو بھیجیگا تاکہ سب جہان پر رحمت عام ہو، اور بھیرا نے کہا کہ جب آپ یہاں تشریف لائے ہیں اُس وقت سب درختوں نے اور پتھروں نے آپ کو سجدہ کیا اور نبی کے سوا اور کسی کو پتھر اور درخت سجدہ نہیں کرتے، اور اپنی کتابوں میں آپ کی بہت سی نشانیاں پاتا ہوں، بعد اس کے ابوطالب سے کہا کہ شام میں یہودی بہت سے ہیں اب کا وہاں لیجانا مناسب نہیں۔ میدان آپکو ایذا دیوں، ابوطالب نے آپ کو اولتاً مکہ میں بھیج دیا۔ اللہم صل وسلم علی محمد و آل محمد۔ بعد اُس کے دوسری دفعہ † میسورہ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہام کی طرف کوچ فرمایا، جب کہ شام میں پہونچے ایک نصرانی فقیر کے کتھ کے پاس ایک درخت کی سایہ میں اُترے، اُس نصرانی فقیر نے کہا کہ اس درخت کے نیچے پیغمبر کے سوا اور کوئی نہیں اُترا، اور میسورہ کہتا تھا کہ دو پہر کے وقت جب گرمی کی شدت ہوتی تھی تو دو فرشتہ آنکر آپ پر سایہ کرتے تھے۔ اللہم صل وسلم علی محمد و آل محمد۔ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سفر سے پہر کر حضرت خدیجہ بنت خویلد سے نکاح کیا، اور اس زمانہ میں آپکا سن شریف پچیس برس کا تھا، جب کہ آپ پینتیس برس کے ہوئے کعبہ کی عمارت کو درست کیا اور اپنے ہاتھ سے حجر اسود کو رکھا، اور جب کہ آپکی عمر چالیس برس کی ہوئی اللہ تعالیٰ نے آپ کے پاس جبرئیل کو بھیجا اور وحی نازل کی، اور ساری خلقت پر نبی کیا، ظہور نبوت کا زمانہ جب کہ قریب آیا تھا تو آپکو تنہائی اور خلوت پسند آتی تھی اور اکثر غار حرا میں کہ اُسکو جبل نور بھی کہتے ہیں تشریف رکھا کرتے تھے، کہ یکایک غار حرا میں پیر کے دن آتھویں ‡ ربیع الاول کو ایک قرشتہ وحی لیکر آیا اور کہا کہ ”اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو خوشخبری ہو کہ میں جبرئیل ہوں اور اللہ تعالیٰ نے میرے تئیں آپ پاس بھیجا ہی اور تم خداے تعالیٰ کی ساری خلقت پر رسول ہو، اور حضرت جبرئیل نے کہا کہ اقراء یعنی پڑھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ میں پڑھا نہیں ہوں حضرت جبرئیل نے آپکو بغل میں بھیجا اور پھر کہا کہ اقراء یعنی پڑھو آپ نے پھر کہا کہ میں پڑھا نہیں ہوں پھر حضرت جبرئیل نے آپکو بغل میں بھیجا اسی طرح تین دفعہ حال گذرا آخر تیسویں دفعہ حضرت جبرئیل نے کہا کہ ”اقراء باسم ربک الذی خلق الانسان من علق اقراء و

† میسورہ حضرت خدیجہ کے مقام ہیں۔

‡ صحیح یہ ہے کہ رمضان میں وحی نازل ہوئی۔ — معمرہ سنہ ۱۸۷۸ھ

زبک الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان ما لم يعلم، یعنی پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے بقایا بنایا آدمی کو لہو کی پھٹکی سے، پڑھ اور تیرا رب ہوا کریم ہی جس نے علم سکھایا قلم سے، سکھایا آدمی کو جو نہ جانتا تھا - آپ نے پڑھا اور سب حقیقت اور ماہیت کائنات اور ماروے کائنات کھل گئی، اور باراز بلند اللہ تعالیٰ کا حکم پہنچانا اور سب آدمیوں کو سیدھا راستہ بتانا شروع کیا، مکہ کے جاہلوں نے آپ کی ایذا دینے کا ارادہ کیا، اور شعب میں آپ کو گھیر لیا، کچھ کم تین برس تک آپ اہل بیت سمیت اُس میں گھیرے رہے، بعد اُس کے جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اُس میں سے نکلے اور اُس زمانہ میں آپکا سن شریف اُنچاس برس کا تھا، اس کے بعد ابو طالب نے انتقال کیا اور اس حادثہ کے تین دن بعد حضرت خدیجہ نے رحلت فرمائی، پھر آپ کی خدمت میں جن حاضر ہوئے اور اسلام لائے، جبکہ آپکا سن مبارک اکیاون برس اور نو مہینے کا ہوا آپکو معراج ہوئی، اور پہلے حضرت کو زرم اور مقام ابراہیم سے اُتھا کر بیت المقدس کو لیگئے اور براق کو حاضر کیا اور جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اُسپر سوار ہوئے اور آسمانوں کی طرف تشریف لے گئے اور عرش بریں کو اپنی ذات پاک سے منور کیا (بیت)

رسولے کا سمان را پایہ دان * رکابش عرش را پیرویہ دان

اور وہاں جناب باری اور حبیب رب العالمین میں وہ باتیں ہوئیں کہ دوسرے کو خبر نہیں اور پانچویں وقت کی نماز فرض ہوئی، اور جبکہ آپ کا سن مبارک تریپن برس کا ہوا پیر کے دن آٹھویں ربیع الاول کو آپ نے مکہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی اور پیر کے دن مدینہ منورہ میں داخل ہوئے، اور وہاں دس برس تشریف رکھے پھر اس جہان سے رحلت فرمائی، اور اس عرصہ میں لوگوں کی ہدایت اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے رواج دینے کے لیئے ستائیس لڑائیاں لڑے اور کفار ناہنجار کو مغلوب و مرہوب کیا منجملہ اُن کے دس بڑی لڑائیاں ۱ بدر ۲ احد ۳ خندق ۴ بنی قریظہ ۵ بنی المصطلق

۱ بدر ایک کٹوٹہ کا نام ہے کہ اُسکو بدر بن قریظ نے کھودا تھا -

۲ احد مدینہ منورہ میں ایک پہاڑ ہے -

۳ خندق آپ نے مدینہ منورہ کے گرد کھودی تھی -

۴ قریظہ یہودیوں کی ایک قوم ہے -

۵ مصطلق حدیمہ بن سعد بن مضر کا لقب ہے اور یہ گائے میں پھٹ عرش اواز تھا اصطلاح

اس کا پہلا لقب ہوا -

۶ خیبر ۷ طایف ۸ وادی القرى ۹ غابہ ۱۰ بنی نضیر، کی ہیں، اور سوائے اس کے قریب پچاس جگہ کے فوج بھیجی مگر آپ بذات مبارک وہاں تشریف نہیں لیگئے، اور ہجرت سے دسویں برس حج کو تشریف لیگئے اور لوگوں کو احکام حج کے سکھائے اس حج کو حجة الوداع کہتے ہیں کہ اس سے پہچھے حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پھر اتفاق حج کا نہیں ہوا، مگر پہلے دو بار حج کیا تھا اور چار عمرے کیئے تھے اور یہ سب حج اور عمرے ذیقعدہ کے مہینہ میں ہوئے تھے *

اسماء مبارک

اور جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ میرا نام محمد ہی - اللہم صل علی محمد و آل محمد و بارک وسلم - اور احمد بھی ہی - اللہم صل علی محمد و آل محمد و بارک وسلم - اور ماحی بھی ہی کہ میرے سبب سے اللہ تعالیٰ کفر کو عالم سے نیست و نابود کرتا ہی، اور حاشر بھی ہی کہ قیامت میں سب سے پہلے اوتھونگا، اور عاقب بھی ہی کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئینگا، اور بعضی روایتوں میں آپکا اسم شریف نبی الرحمة و نبی التوبہ و نبی الملحمة بھی آیا ہی - اللہم صل وسلم علی محمد خاتم النبیین و سید المرسلین - اور اللہ تعالیٰ نے آپکو قرآن مجید میں بشیر اور نذیر اور رؤف اور رحیم اور رحمة للعالمین و محمد و احمد و طہ و یس و مزمل و مدثر اور عبد جیسے کہ سبحان الذی اسری بعبدہ لیلًا اور عبد اللہ جیسے کہ اِنَّہ لما قام عبد اللہ يدعوه اور منذر جیسے کہ اِنما انت منذر بھی فرمایا ہی اللہم صل علی محمد الذی سمیتہ بشیرا و نذیرا و خطبتہ رحمة للعالمین و سراجاً منیرا و محمد و احمد و طہ و یس و مزمل و مدثر و العبد و عبد اللہ و المنذر الف الف صلوة و سلام *

حلیۃ شریف

اور جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوبصورت اور حسین تھے، آپ کا میاں قد تھا سرخ و سفید رنگت تھی، اور آپکا سینہ مبارک چوڑا تھا، اور آپ کے دونوں شانوں میں تھوڑا سا فاصلہ تھا، اور آپ کے موی مبارک کان کی الو تک پہنچتے تھے، اور آپ کے سر اور

۶ خیبر مدینہ منورہ کے پاس مشہور ایک قلعہ ہی -

۷ طایف شہروں کا نام ہی -

۸ وادی القرى ایک جنگل کا نام ہی -

۹ غابہ حجاز میں ایک جگہ -

۱۰ نضیر پہرہوں کی ایک قوم ہی -

گازھی میں کل بھس بال سفید تھے اور آپکا چہرہ مبارک چودھویں قاریم کے چاند سے بھی سوا روشن تھا اور آپکا بدن متوسط تھا نہ بہت موٹا نہ بہت دھلا، اگر جناب پرغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم چپ رہتے تو بہت ہیبت اور شان و شوکت معلوم ہوتی تھی اور اگر آپ بات کہتے تو لطافت اور نازکی ظاہر ہوتی تھی، اگر کوئی آپ کو دور سے دیکھتا تو کمال حسن و جمال نظر آتا اور اگر پاس سے دیکھتا تھا تو ملاحظت اور شیرینی معلوم ہوتی تھی آپ کی باتیں بہت میٹھی میٹھی تھیں، اور آپ کشادہ پیشانی تھے، اور باریک اور لمبی بھویں تھیں اور دونوں بھروں میں کچھ فاصلہ بھی تھا، اونچی بہت خوبصورت فاک تھی، دھانہ کشادہ تھا پر بہت خوبصورت، دانت بہت روشن اور صاف موتی سے بہتر، اور آپ کے شانوں کے بیچ میں مہر نبوت تھی، اور اُس میں سے یہ الفاظ پڑھ جاتے تھے "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" اور جن لوگوں نے کہ آپ کو دیکھا تھا وہ کہا کرتے تھے کہ ہم نے کبھی پہلے اور نہ پیچھے ایسا کوئی شخص حسن و جمال میں نہیں دیکھا، اور آپ بہت وسیع الاخلاق تھے کسی پر خفا نہوتے تھے، اور اپنی ذات کے لیئے کسی سے بدلا نہ لیتے تھے، مگر جو شخص کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا تھا اُس سے بدلا صرف خالصاً للہ لیتے تھے، اور جب کہ آپ خفا ہوتے تھے تو کسی شخص کو آپ کی خفگی اوتھانہ کی طاقت نہ تھی، اور آپ حد سے زاید اور سب سے زیادہ شجاع اور سختی تھے، جس شخص نے جو چیز مانگی اسیوقت آپ نے دے دی اور کبھی نہیں کہا کہ میں نہیں دیتا، اور رات کو آپ کے گھر میں ایک کوڑی بھی نہرتی تھی، اور اگر اتفاق سے رہ جاتی تھی تو جب تک وہ خرچ نہوتی آپ دولتخانہ میں تشریف نہ لاتے تھے، اور بیت المال سے آپ جو چیز کہ سستی سے سستی ہوتی تھی جیسے کھجور اُس میں سے ایک بوس کی خوراک کے موافق اپنے اہل بیت کے واسطے لیتے تھے، اور باقی سب لوگوں کو بانٹ دیتے تھے، اور اپنے حصہ میں سے بھی مسافروں اور فقیروں کو بہت عنایہ کیا کرتے تھے یہاں تک کہ اکثر پورا برس نہونے پاتا تھا کہ آپ کے پاس کھانا ہوچکا تھا اور قرض کی حاجت ہرتی تھی، اور آپ بہت سچی بات فرمایا کرتے تھے، اور جس سے جو اقرار کرتے تھے اُسکو بیشک پورا کرتے تھے اور آپ بہت باحیا تھے آپ کی نگاہ ہمیشہ نیچی رہتی تھی اور دیکھتے تو کن انکھیں سے دیکھتے اور حضرت کا حلم اور تواضع بھی حد سے زیادہ تھا جو شخص غریب امیر آزاد آپ کی دعوت کرتا تھا اُسکو قبول کر لیتے تھے اور سب خلق خدا پر حد سے زائد عفتیق تھے، بلی کے ہانی پینے کے لیئے برتن کو جھکا دیتے تھے اور جب تک کہ وہ خرب نہ پی لیتی تھی اُس برتن کو نہ ہلاتے تھے، اور حضرت بہت پاکیزہ طبیعت کے تھے کچھ

ہوا اور حرص آپ کے دل میں نہ تھی، اور جو شخص کہ آپ کو پہلے پہل دیکھتا تھا، اُس کے دل میں رعب بیتہ جاتا تھا، اور جو شخص کہ ہمیشہ آپ کی خدمت میں حاضر رہتا تھا اُسکو آپ سے نہایت محبت اور عشق ہو جاتا تھا *

بیان سیر جمیلہ

آپ اپنے یاروں کو بہت دوست اور معزز رکھتے تھے، اُن کے سامنے کبھی پاؤں تک نہ پھیلاتے تھے، اگر آدمیوں کی کثرت سے جگہ تنگ ہو جاتی تھی تو آپ اُن کے لیئے جگہ کشادہ کر دیتے تھے، اور آپ کے یار بھی آپ پر دل و جان سے تصدق و فدا اور پروانہ کی طرح اپنی جان دینے کو حاضر تھے، اگر آپ کوئی بات ارشاد کرتے تھے تو خاموش اُسکو سنتے تھے، اور اگر کچھ فرماتے تھے تو اُسکو جلد بجھا لاتے تھے، اور جس سے کہ جذب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ملاقات کرتے تھے پہلے آپ ہی سلام علیک کرتے تھے، اور زیبائش و تجمل سے اپنے یاروں کی ملاقات فرمایا کرتے تھے، یعنی کپڑے پہنتے اور ریش مبارک میں کنگھی کرتے، اور اپنے یاروں کی خیر و عافیت پوچھتے رہتے تھے، اگر کوئی بیمار ہوتا تھا اُس کی خبر لینے کو تشریف لیجایا کرتے تھے، اور جو سفر کو جاتا تھا اُسکو دعا دیتے تھے، اور جو مرجاتا تھا اُسکے لبئے انا للہ و انا الیہ راجعون فرماتے تھے، اور قوم کے شریفوں کی بہت دلجوئی فرماتے تھے، اور اہل فضل و کمال کو بہت عزیز رکھتے تھے، اور سب سے خندہ پیشانی ملا کرتے تھے، اور ہر عذر خواہ کا عذر قبول کر لیتے تھے — اللہم صل علی صاحب السیر الجمیلہ صلوات کما ہو اہلہ — حضرت † انس رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ میں دس برس جذب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی، خدا کی قسم جتنی خدمت کہ میں نے سفر و حضر میں آپ کی کی ہی اُس سے زائد آپ نے میری خدمت کی ہی، اور کبھی میرے تنیں اُف تک نہیں کہا، اور جو کام کہ میں کرتا تھا کبھی نہ فرماتے تھے کہ یہ کیوں کیا اور جو فکرتا تھا اُسکو بھی کبھی نفرماتے تھے کہ کیوں نہ کیا، ایک دفعہ سفر میں اپنے گوسفند پکانے کے لیئے ارشاد کیا، ایک شخص نے کہا کہ اُسکو ذبح میں کروں گا، دوسرے نے کہا کہ اُسکو پاک

† انس بن مالک — آپکی کنیت ابو حمزہ اور آپکی ما کا نام سامہ تھا دس برس کی عمر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ میں حاضر ہوئے اور فائدے برس کے ہو کر ہجرت میں مرے جذبات پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے آپکو دعا دی تھی کہ تمہارے پاس بہت سا پیسہ اور بہت سی اولاد ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی بروک سے انصاریوں میں سب سے مالدار رہے اور اہل بیت کے اور در پیتہاں تھیں اور آپکے جیتے جی پوتوں سے بہت سی آدمی ہو گئے تھے *

میں کرونگا، تیسرے نے کہا کہ اسکو میں پکڑوں گا، جذاب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لکڑیاں میں چن لڑونگا، سب نے عرض کیا کہ یا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم یہہ کلم بھی ہم کرلینگے، آپ نے فرمایا کہ میں یہہ بات جانتا ہوں کہ یہہ کلم بھی تم کرلو گے، مگر میں یہہ بات نہیں چاہتا کہ تم سے اپنے تئیں برا بنائے رکھوں، کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ سے اس بات کو برا جانتا ہی کہ اپنے یاروں میں اپنی بڑائی چاہے، اور جبکہ آپ کسی مجلس میں جاتے تھے تو جہاں جگہ ہوتی تھی وہیں بیٹھ جاتے تھے، یہہ ارادہ نکرتے تھے کہ سب سے اوپر جا کر بیٹھوں، اور جو شخص کہ آپ کے پاس حاضر ہوتے تھے، اُس پر ایسی نظر عنایت اور التفات فرماتے تھے کہ وہ شخص یہہ بات جانتا تھا کہ مجھ سے سوا اور کسی پر اتنی عنایت نہیں، اور فقیروں کو بہت چاہتے، اور اُن میں بہت بیٹھا کرتے، اور اُن کے جنازہ کے ساتھ جاتے، اور مہمان کی بہت خاطر داری کرتے، اور اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرتے، اور نماز پڑھنے میں یہہ رقت و بکا غالب ہوتی کہ آپ کے سینہ مبارک سے آواز ہندیا کے پکے کی سی آتی، اور آپ روزہ بہت رکھا کرتے، اور آپ جب سوتے تو آپ کا دل جاگتا رہتا، اور جو کوئی کچھ کہتا تو سن لیتے، اور آپ صدقہ کے مال کو نہ کھاتے، اور جو کوئی تحفہ لاتا تو لے لیتے، اور اُس سے بہت سلوک کرتے، اور خدا تعالیٰ نے آپ کو سارے جہاں کے خزانوں کی کنجیاں عنایت کیں پر آپ نے نہ لیں اور آخرت ہی کی نعمتیں اختیار کیں، اور آپ تین انگلیوں سے † کھانا نوش فرمایا کرتے تھے، اور آپ نے جو کی روٹی چھوہارے سے اور خربوزہ کو کھجور سے تناول فرمایا ہی، اور سرکہ اور روٹی کھا کر آپ نے فرمایا ہی کہ روٹی کے ساتھ کھانے کو سب سے بہتر سرکہ ہی، اور آپ کو شہد اور مٹھاس بہت بھاتی تھی، اور آپ بیٹھ کر تین دم میں پانی پیتے تھے، ایک دفعہ آپ نے دودھ نوش فرمایا اور ارشاد کیا کہ اگر کوئی کھانے کی چیز کھاوے تو کہے — اللہم ارزقنا خیراً منہ — اور جب کہ دودھ پیتے تو کہے کہ — اللہم بارک لنا فیہ وزدنا منہ — اور فرمایا کہ دودھ کے سوا ایسی اور کوئی چیز نہیں کہ کھانے پینے دونوں چیزوں کو کفایت کرے اور آپ پشمینہ کی پوشاک پہنتے تھے لیکن کچھ تلف فرماتے تھے، اور آپ کے نزدیک گرگہ سب سے اچھی پوشاک تھی، اور جبکہ آپ کوئی نیا کپڑا پہنتے تھے تو فرماتے تھے — اللہم لک الحمد کما البستہ واسئلك خیرہ وخیر ماضیع لہ — اور سبز پوشاک سے بہت خوش ہوتے تھے، اور عمامہ باندھتے تھے، اور اسکا ایک سرا شملہ کی طور پر دونوں شانوں کے بیچ

میں لٹکا دیتے تھے، اور آپ کبھی دھائیں ہات کی چہہ انگلیا میں اور کبھی بائیں ہاتھ کی چہہ انگلیا میں چاندی کی انگوٹھی پہن تے تھے کہ اُسپر ”محمّد رسول اللہ“ کھدا ہوا تھا، اور آپ خوشبو سے بہت رغبت اور بدبو سے کمال نفرت رکھتے تھے، اور غالیہ اور مشک اور عود اور کافور کو استعمال کرتے تھے، اور آئینہ بھی دیکھا کرتے تھے، اور آپ تین دفعہ دائیں آنکھ میں اور دو دفعہ بائیں آنکھ میں سرمہ لگایا کرتے تھے، اور سفر میں آپ کے پاس ہمیشہ تیل اور سرمہ اور آئینہ اور کنگھی اور قینچی اور مسواک اور سوئی تاکا رہتا تھا، اور آپ کبھی کبھی مزاح بھی فرماتے تھے مگر اُس میں جو بات کہ ارشاد ہوتی تھی وہ سب سچ ہی ہوتی تھی، جیسے کہ ایک دفعہ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے عرض کیا کہ میرے تئیں اونٹ پر سوار کر دو، آپ نے فرمایا کہ تیرے تئیں اونٹنی کے بچے پر سوار کریں گے، اُس شخص نے عرض کیا کہ مجھے بچہ اوتھا نہ سکیگا، جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اونٹ بھی اونٹنی ہی کا بچہ ہوتا ہی *

اسی طرح ایک عورت نے جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، کہ یا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم میرا خاوند بیمار ہی اور آپ کو بلاتا ہی، آپ نے فرمایا کہ تیرا خاوند وہی ہی کہ جسمی آنکھ میں سفیدی ہی، جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اُس سفیدی سے وہ سفیدی مقصود تھی جو سب کی آنکھ میں ہوتی ہی، مگر وہ عورت ذیلی سمجھی اور جاکر اپنے خاوند کی آنکھ کو چیر کر دیکھا، اُسکے خاوند نے کہا کہ تجھے کیا ہو گیا ہی کہ تو میری آنکھ کو چیرتی ہی اُس نے جواب دیا کہ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سے فرمایا ہی کہ تیرے خاوند کی آنکھ میں سفیدی ہی، اُس نے کہا کہ کوئی شخص ایسا نہیں ہی کہ اُسکی آنکھ میں سفیدی نہ ہو، اور جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے خدیجہ بنت خویلد سے نکاح کیا اور بعد اُس کے † سودہ بنت زمعہ اور پھر ‡ حضرت عایشہ صدیقہ اور § حفصہ بنت

† سودہ نے ہوال کے مہینہ سنہ ۵۵ ہجری میں معاریہ کے زمانہ میں انتقال فرمایا *

‡ عایشہ بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ - انکی عمر چھ برس کی تھی جب آپ نے نکاح کیا اور جب آپ نے انتقال فرمایا تب حضرت عایشہ اٹھارہ برس کی تھیں اور حضرت عایشہ نے سترویں رمضان سنہ ۵۸ ہجری میں انتقال فرمایا اور انکی نکاح ام عبداللہ ہی *

§ حفصہ بنت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اکتالیسویں برس ہجرت سے انتقال فرمایا *

عمر فاروق اور † اُم حبیبہ بنت ابی سفیان اور ‡ اُم سلمہ اور § زینب بنت جحش اور || جویریہ بنت حارث اور صفیہ کہ وہ حضرت ہارون پیغمبر علیہ السلام کی اولاد سے تھیں اور میمونہ اور زینب بنت خزیمہ سے، اور آپ کی اولاد میں سے حضرت قاسم تھے اور انہی کے نام سے آپ کی کنیت تھی اور اسی واسطے آپ کو ابوالقاسم کہتے تھے، اور عبداللہ کہ طیب اور طاہر انہیں کالقب تھا، اور زینب اور رقیہ اور ام کلثوم اور فاطمہ، اور اُن صاحب زادوں نے نبوت سے پہلے انتقال فرمایا اور صاحب زادوں نے نبوت کے بعد، اور یہ سب صاحبزادے اور صاحبزادیاں حضرت خدیجہ سے تھیں، بعد اس کے ابراہیم ماریہ قبطیہ سے مدینہ میں پیدا ہوئے اور ستر دن کے ہو کر مر گئے، اور حضرت کی سب اولاد آپ کے ربہ رحلت کر چکی تھی مگر فاطمہ علیہما السلام باقی تھیں بعد چھ مہینے کے اُنہوں نے رحلت فرمائی، پھوپھیاں اور چچا حضرت کے سترو تھے، اُن میں سے صرف تین ہی اسلام لائے || حضرت عباس اور * حمزہ اور صفیہ اور حارث اور زبیر اور قثم اور ابوطالب عمران اور عبدالکعبہ اور حنظل اور ضار — عیداق — ابولہب چچوں میں سے اور عاتکہ اور اردی و اُم حکم اور برہ و امیمہ پھوپھیوں میں سے ایمان نہیں لائیں — اور حضرت کے خادم بہت تھے اُن میں سے انس اور عبداللہ بن مسعود اور بلال ہیں اور ذومضمر بھانجا نجاشی کا

† اُم حبیبہ بنت ابی سفیان — جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا ہی تو یہ حبشہ میں تھیں اور نجاشی حبشہ کے بادشاہ نے چار سو دینار آنحضرت صلعم کی طرف سے مہر دیا اور ہجرت سے چوالیسویں برس انتقال فرمایا *

‡ اُم سلمہ نے رمضان میں یاسٹھویں برس انتقال فرمایا ہی اور سب ازواج مطہرات سے پیچھے انہیں نے وفات پائی ہی اور بعض میمونہ کو کہتے ہیں ۵

§ زینب بنت جحش نے حضرت عمر کی خلافت میں ہجرت سے پچیسویں یا اکیسویں برس مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا اور سب ازواج سے پہلے آپ نے ہی انتقال فرمایا اور آپ ہی سے گہوارہ میں اُٹھانے کی رسم نکلی *

|| جویریہ بنت حارث بنتی مصطلق کی ازانی میں پکڑی گئیں اور ثابت بن قیس کے حصہ میں آئیں اُس نے اُن کو مکاتب کر دیا اُنہوں نے پیغمبر خدا سے کچھ روپیہ مانگ آئے کہا ہم تم سے نکاح

کرینگے وہ راضی ہوئیں اور چھیرویر برس میں ہجرت سے انتقال فرمایا *

¶ عباس — مکہ کی ذات سے پہلے مسلمان ہوئے اور حضرت عثمان کی خلافت میں انتقال فرمایا *

* حمزہ — ہجرت سے پہلے مسلمان ہوئے اور حوال کے مہینے میں جنگ احد میں شہید ہوئے *

آپکا خدام تھا اور ایلچی آپ کے جھکو بادشاہوں کے پاس بھیجا تھا بہت تھے، عمرو بن أمیہ کو نجاشی حبشہ کے بادشاہ کے پاس بھیجا اور وہ ایمان بھی لایا اور وحیہ ظہری کو اول روز کے بادشاہ پاس بھیجا وہ بھی ایمان پر مستعد ہوا تھا پر اُس کی قوم نے نہ مانا اُن کے در سے وہ ایمان نہ لایا عبداللہ بن حذافہ کو خسرو فارس کے بادشاہ کے پاس بھیجا تھا اُس مردوں نے حضرت کے نامہ مبارک کو چاک کر ڈالا حضرت نے اُس کے حق میں بد دعا کی کہ وہ ہلاک ہوا — [بیت]

درید آن نامہ گردن شکن را * نہ نامہ بلکہ نام خویشتن را
علامہ بن خضرمی کو بصریہ کے بادشاہ کے پاس بھیجا، اور وہ ایمان بھی لایا، اور لکھنے والے حضرت کی سرکار میں بہت تھے، چاروں خلیفہ اور عبداللہ بن ارقم و ابی بن کعب و ثابت بن قیس و زید بن ثابت و معاویہ اور آپکے بہت سے اصحاب تھے *

صحابہ کرام

مگو وہ اصحاب کہ جن پر بہت عنایت تھی اور آپ کے خاص الخاص تھے وہ یہ ہیں
۱ ابوبکر صدیق ۲ عمر فاروق ۳ عثمان غنی ۴ علی مرتضیٰ ۵ حمزہ ۶ جعفر ۷ ابودر
۸ مقداد ۹ سلمان ۱۰ حذیفہ ۱۱ عبداللہ بن مسعود ۱۲ عمار ۱۳ بلال *

عشرۃ مبشرۃ

اور جو لوگ کہ عشرۃ مبشرۃ ہیں اور اُنکو بہشت میں جانے کی خوشخبری دی
تھی وہ یہ ہیں ۱ ابوبکر صدیق ۲ عمر فاروق ۳ عثمان غنی ۴ علی مرتضیٰ ۵ سعد
بن ابی وقاص ۶ زبیر بن العوام ۷ عبدالرحمن بن عرف ۸ طلحہ بن عبداللہ ۹ عبیدہ
بن جراح ۱۰ سعد بن زید *

دواب

اور حضرت کی سرکار میں دس گھوڑے اور بیس اونٹنیاں دودہ دینے والی اور سو
بکریاں تھیں *

ہتھیار

اور تین تلواریں اور چار کمانیں اور ایک ترکش اور ایک سپر اور دو زره اور ایک خرد
تھا اور جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ہزار ہا معجزات ظہور میں آئے ہیں *

اور جو معجزے کہ سب نبیوں میں تھے وہ آب کی ذات با برکات سے ظاہر ہوتے تھے
اُن کا احاطہ ممکن نہیں مگر تیمناً و تدبراً چند معجزات بیان کیئے جاتے ہیں *

معجزات

سب سے بڑا معجزہ کلام اللہ ہی کہ کیسا ہی عالم فاضل فصیح بلیغ ہو اُسکی چھوٹی سی
چھوٹی ایک سورۃ کے برابر نہیں کہہ سکتا ، اور باوجودیکہ آپ کچھ پڑھے نہ تھے اُن باتوں کی
جو ہو چکیں اور ہونگی خبر ہی اور سب سچ ہی ، اور آپکی انگلی کے اشارہ سے شق القمر ہوا
کہ کسی نبی سے ایسا معجزہ ظہور میں نہیں آیا ، اور ایک دفعہ آپ بکری کے چھوٹے سے
بچے کے پیٹ پر ہاتھ پھیرا اور باوجودیکہ وہ بچہ تھی مگر فی الفور اُسنے دودھ دیا ، اور آپنے
عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو دعا دی تھی کہ اُن کے سبب اسلام کو رونق ہو اُسی طرح ہوا
کہ اُن کی خلافت میں جتنی رونق اسلام اور فتح بلاد ہوئی کسی خلیفہ کے وقت
میں ایسا نہوا ، اور ایک دفعہ قتادہ بن النعمان کی آنکھ میں زخم لگا اور آنکھ نکل کر
پانی سی بہہ گئی آپنے اپنے دسم مبارک سے اُسی کو لیکر آنکھ میں رکھ دیا آنکھ اچھی
خاصی دوسری آنکھ سے بھی اچھی ہو گئی ، اور ایک دفعہ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم
نے ایک اعرابی کو مسلمان ہونے کے لیئے کہا اُس نے کہا کہ کوئی گواہ لاؤ آپ نے فرمایا کہ
یہ درخت گواہ ہی اور درخت کو کہا کہ آگے آؤ وہ درخت آگے آیا اور تین دفعہ باواز بلند
گواہی دیکر جہاں کا تھا وہیں چلا گیا ، اور جس رات کہ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ
علیہ وسلم کو ندرت ہوئی اُس رات جتنے درخت اور پتھر وغیرہ تھے سب نے باواز کہا تھا کہ
السلام علیکم یا رسول اللہ ، اور ایک دفعہ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ہرنی نے
عرض کیا کہ میرے تئیں قید سے چھوڑا دو میرے دو بچے ہیں اُن کو دودھ پلا کر پھر آجاؤنگی
آپنے اُس کو چھوڑا دیا اور اُس نے آدمیوں کی طرح اشہدان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمداً
رسول اللہ پڑھا ، اور ایک دفعہ ایک شخص ایمان لایا اور پھر کمبخت مرتد ہو کر پھر گیا
اور کافروں سے جا ملا بعد اُس کے مر گیا جب کہ آپ کو اُس کے مرنے کی خبر پہونچی
آپ نے فرمایا کہ زمین اُس کو قبول نہ کریگی اسی طرح ہوا کہ جب اُسکو دفن کرتے تھے
زمین اُگل دیتی تھی ، اور ایک دفعہ حضرت کی انگلیوں سے ایسا پانی جاری ہوا کہ اُس سے
چودہ سو آدمیوں نے پیا اور رضو کیا ، یہ معجزہ کئی بار ہوا ہی ، اور جبکہ مکہ کی فتح
ہوئی تھی اور آپ مسجد الحرام میں داخل ہوئے ہیں تو کعبہ کے گرداگرد بہت لٹکتے تھے
آپ کے دست مبارک میں ایک چھوٹی سی چھتری تھی اُس سے آپ اشارہ کر کے فرماتے تھے

کہ ”جامد الحق و ذوق الباطل“ وہ بت آپ سے آپ گریز تے تھے، اور اسی طرح ہزارہا اعجاز ہیں کہ اُن کا جد و حصر ممکن نہیں *

حجۃ الوداع

ہجرت سے دسویں برس جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ حج کرنے کا ارادہ کیا اور سب لوگوں کو خبر پہونچائی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم حج کو تشریف لیجاتے ہیں، یہ خبر سنکے ہزاروں آدمی مدینہ میں جمع ہوئے اور اس سفر میں اُس قدر آدمی جمع ہو گئے تھے کہ حد اور شمار سے باہر تھے، جہاں تک نگاہ جاتی تھی آدمی ہی آدمی دکھائی دیتے تھے، اور اُس حج کا نام ”حجۃ الوداع“ ہی واسطے کہ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس سفر میں سب لوگوں سے سفر آخرت کے لیئے رخصت ہوئے ہیں، اور فرمایا ہی کہ منجھ سے اپنے طریق اور راہیں سیکھ لو شاید میں اگلے برس حج میں نہوں اور جیتا نہ رہوں، غرض کہ ذیقعدہ کی پچیسویں کو آپ نے غسل فرمایا اور کنگھی کی اور تیل ڈالا اور خوشبو لگائی اور احرام کے کپڑے پہن کر دولت خانہ سے باہر نکلے اور مدینہ منورہ میں ظہر کی نماز پڑھی اُس کے بعد ذی الحلیفہ میں پہونچے اور عصر کی نماز قصر کر کے پڑھی اور احرام باندھکے لیبیک فرمایا اور اپنی اُونٹنی پر کہ قصوا اُس کا نام تھا سوار ہوئے اور منزلوں کو طے کر کے ذی الحجۃ کی چوتھی تاریخ صبح کے وقت اتوار کے دن مکہ معظمہ میں داخل ہوئے - اللہم صل علی محمد و آل محمد - جبکہ آپ مکہ معظمہ کے پاس پہونچے آپ نے تین دفعہ جلدی جلدی طواف کیا اور چار دفعہ آہستہ آہستہ طواف کیا، اور جب کہ آپ حجر الاسود کے پاس پہونچتے تھے اُس وقت بوسہ دیتے تھے اور کبھی پیشانی رکھتے تھے اور بعد اُسکے بوسہ دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ ”بسم اللہ واللہ اکبر“ بعد اُسکے آپ کوعہ صفا پر تشریف لے گئے اور یہہ آیۃ پڑھی کہ ”ان الصفا والمروة من شعائر اللہ“ اور اُس جنگل میں آپ سوار ہو کر پھرتے تھے، بعد اُس کے اپنے حکم کیا کہ جو لوگ ہدیہ اپنے ساتھ نہیں لائے ہیں وہ حج کی نیت موقوف کریں صرف عمرہ تمام کریں اور احرام سے نکل آویں، جب کہ ترویہ کا دن یعنی ذی الحجۃ کی آٹھویں تاریخ ہوئی تو آپ منا کی طرف متوجہ ہوئے اور وہاں ظہر اور عصر اور مغرب اور عشا کی نماز پڑھی اور رات کو رہے اور صبح کی نماز پڑے کر جب آفتاب نکلا تو عرفات کی طرف روانہ ہوئے، اور جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پہونچنے سے پہلے نمبرہ کے جنگل میں کہ عرفات کے پاس ہی خیمہ کھڑا کیا تھا آپ وہاں آنکر اُترے اور جب دو پہر ڈھل چکی

نماز ظہر اور عصر کی جماعت کے ساتھ پڑھی اور موقوف کی طرف کہ عرفات کے میدان میں ہی چلے اور وہاں دعا اور کلمہ کہتے تھے یہاں تک کہ شام ہو گئی، پھر مزدلفہ کی طرف تشریف لیگئے اور رات کو رہے اور صبح کی نماز پڑھنے کے دن نکلتے تک مشعر الحرام میں ٹہرے، اور بعد اس کے جمرۃ العقبہ میں سات کنکریاں پھینک کر منا کی طرف روانہ ہوئے، اور ایام تشریق + میں بھی سات سات کنکریاں پھینکتے رہے، اور بقرعید کے دن اول وقت قربانی کر کے کعبہ کے طواف کو روانہ ہوئے، اور سات دفعہ کعبہ کے گرد پھر کر طواف کیا، بعد اس کے سقایہ میں آئے اور وہاں آب زمزم پیا، اور منا کی طرف تشریف لیگئے، اور تشریق کے تیسرے دن کوچ کیا، اور مختصم میں پہونچ کر لشکر کو کوچ کرنے کا حکم دیا، بعد اسکے مدینہ منورہ میں داخل ہوئے، اور اسی حب کے دنوں میں آیۃ ”الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی“ اور اس سے پہلے ”سورۃ اذاجاء نصر اللہ“ نازل ہوئی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سفر آخرت کی خبر دی تھی، اس واسطے جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بعضے صحابہ سے انتقال کے دن قریب ہونے کا حال فرمایا تھا، اور جناب فاطمہ علیہا السلام سے بھی فرمایا تھا کہ میرے تئیں مرنے کی خبر دی ہی حضرت فاطمہ رونے لگیں جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سب اہل بیت سے پہلے ہم سے ملو گے، بعد اس کے آنحضرت نے کئی دفعہ رات کو شہدائے بقیع کے لیئے دعا کی، جبکہ وہاں سے مراجعت کی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تشریف لائے آپ کے تئیں درد سر شروع ہوا اور دن بدن شدت ہونے لگی یہاں تک کہ وقت انتقال قریب آیا اور بموجب حکم باری تعالیٰ کے ملک الموت ایک اعرابی کی صورت میں در دولت پر حاضر ہوا اور اندر آنے کی اجازت چاہی حضرت فاطمہ علیہا السلام نے جواب دیا کہ اس وقت جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو مرض کی شدت ہی ملاقات کا وقت نہیں، پھر دوبارہ اندر آنے کی اجازت چاہی پھر وہی جواب سنا، تیسری دفعہ چلا کر کہا کہ سب لوگ اُس آواز سے حیران ہو گئے اور جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھل گئی، آپ نے پوچھا کہ کیا حال ہی جو حال تھا سب نے عرض کیا، جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے فاطمہ یہ ملک الموت ہی، جناب فاطمہ زہرہ نے جو یہ بات سنی رونے لگیں، آپ نے فرمایا کہ اے میری بیٹی مت رو کہ تیرے رونے پر عرش روتا ہی، اور اپنے ہاتھ سے حضرت فاطمہ کے آنسو پونچھے اور تسلی کی اور دعا دی کہ اللہ تعالیٰ میری جدائی میں اُس کو صبر دے، اور حضرت فاطمہ علیہا السلام سے فرمایا کہ اپنے بیٹوں کو میرے پاس لا جناب

حسن و حسین علیہما السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پاس آئے ، وہ دونوں صاحب آپکو اس حال میں دیکھ کر رونے لگے ، اُن کے رونے کی آواز سنکر جتنے لوگ گھر میں تھے سب رونے لگے ، جب سب گے رونے کی آواز آپ کے کان میں پہنچتی آپ بھی رونے لگے ، سکراتِ موت نے شدت کی کہ آپ کا رنگ مبارک متغیر ہوتا جاتا تھا ، اور آپ کے پاس ایک پانی کا پیالہ بھرا ہوا دھرا تھا ، آپ اُس میں ہاتھ دالتے تھے اور روئے مبارک پر ملتے تھے اور فرماتے تھے ”اللهم اعني على سكرات الموت“ جب ملک الموت نے اجازت قبض روح مبارک کی چاہی آپ نے فرمایا کہ ذرا صبر کرو جبرئیل آجائے ، اتنے میں حضرت جبرئیل آئے آپ نے فرمایا کہ اے دوست اس وقت میں میرے تئیں اکیلا چھوڑتا ہی ، حضرت جبرئیل نے کہا کہ آپکو خوشی ہو کہ اللہ تعالیٰ نے مالک دوزخ کو حکم دیا ہی کہ میرے پیارے دوست کی روح پاک آسمان پر اویگی دوزخ کی آتچ کو بالکل بچھادے ، اور حوروں کو حکم دیا ہی کہ اپنے تئیں آراستہ کریں ، اور فرشتوں کو فرمایا ہی کہ اُٹھ کر صف بصف کھڑے ہوں کہ روح پاک محمد صلی اللہ علیہ وسلم آتی ہی ، اور مجھکو حکم دیا ہی کہ زمین پر جا کر میرے دوست سے کہو ، کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہی کہ جب تک تو اور تیری اُمت بہشت میں نہ داخل ہو لیکن اُس وقت تک سب فیہوں اور اُمتوں پر بہشت حرام ہی ، اور قیامت کے دن تیری اُمت کو اتنا بخشونگا کہ تو راضی ہو جاوے ، یہ بات سنکر آپ نے ملک الموت کو فرمایا کہ جس کلم تو آیا ہی وہ کام کر ملک الموت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک قبض کی اور اعلیٰ علیین میں لیگیا ، اور کہا کہ یا محمد یا رسول رب العالمین - اللهم صل علی محمد و آل محمد - اس واقعہ جانکاہ کے بعد جو لوگ حاضر تھے اُنہوں نے یا کسی فرشتہ نے آپ کے اوپر حبرہ کہ ایک قسم کی جادر ہی اُڑھائی ، اور جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور جو مقرب تھے حالت بیقراری میں گریہ و زاری کرتے تھے ، اور سب صحابہ پر وہ حال بیطقتی اور بیہوشی کا تھا کہ بعضوں نے حضرت کی موت کا انکار کیا ، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خاموش گنگ ہو گئے ، اور جناب علی علیہ السلام بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے ، اور سب صحابہ کا اسی طرح برا حال ہوا ، مگر حضرت عباس آپ کے چچا اور حضرت ابوبکر صدیق نے بہت استقلال اور کدال ضبط کیا ، اتنے میں حضرت خضر علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حجرہ مبارک میں سے آواز دی کہ آپ کو غسل دو ، اور حضرت خضر علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سب صحابہ کو کہ اس غم اور الم میں کہ کوئی اُن کا شریک نہ تھا تسلی دی اور ان الفاظ سے تعزیت کی ”ان الله في غزائ من كل مصيبة و خلفاً من كل هالك و دركاً من كل ذایت فبالله فاتقوا و اليه فارجعوا

فان المصائب من حرم الثواب ” یعنی اللہ تعالیٰ کے پاس ہر مصیبت کے واسطے دلاسا ہی اور ہر مرنے والے کا عوض ہی اور ہر جانے والی چیز کا بدلا ہی یہی اللہ پر اعتماد کرو اور اُس کی طرف رجوع کرو کہ حقیقت میں مصیبت زدہ وہی جو ثواب سے محروم رہے بعد اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت علی اور حضرت عباس اور فضل رثم حضرت عباس کے بیٹے اور شقران جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام اور اسامہ نے کپڑوں سمیت غسل دیا ، اور اُس انصاری بھی حضرت کے نہلانے اور دھلانے میں حاضر ہوئے ، اور حضرت علی نے آپ کے پدمت پر ہاتھ رکھا کہ شکم سے کچھ نہ نکلا آپ نے کہا کہ ” صلی اللہ علیک فقد طیب حیاً و میتاً ” یعنی رحمت خدا کی تمہو ہو کہ پاک ہو تم جیتے اور مرے اور آپ کے تئیں تین چادروں میں تکفین کیا ، اور ہر شخص نے الگ الگ نماز پڑھی کوئی امام آپ کے جنازے پر نہیں ہوا ، اور جناب عایشہ صدیقہ کے گہر میں آپ کی قبر شریف بطور بغلی کے کھدی ، اور قبر میں قطیفہ کا فرش ہوا اور اُس میں مدفون کیا ۔

نظم	
* گریبان زمیں شد ناگہاں چاک	* درآمد ہسچو جاں در قالب خاک
* مگر شخص زمیں لب تشنه سے مرد	* کہ آب زندگانی را فرو برد
* اللهم صل علی روح النبی المطہر	* شفیع الوری فی يوم بعث و معشر
* بشیر نذیر سید القوم جملہ	* رسول کریم خیر ذات و جوہر
* و ما مثله فی الناس من صلب آدم	* بخلق عظیم ثم ذات معطر
* اذا نار نورک فی خلق آدم	* خیر الملائکۃ جماعۃ مکبر
* اذالاج بالانوار وجہ محمد	* فلم یدق نور مالنجیم منور
* سقی معشر الابوار من حوض کوثر	* شربا طہورا خالیاً عن مکدر
* علیک صلوٰۃ اللہ یا سید الوری	* علیک سلام اللہ یا خیر منظر

فقیر حقیر سید احمد حسینی الحسنی المتخاطب بجنود الدولہ سید احمد خاں بہادر عارف چاک نے اس رسالہ کو سرور المہتزون سے ماخوذ کیا اور چند مطالب مدارج النبوت سے اُس میں بڑھائے اور بعضی بعضی باتیں اصل رسالہ میں سے کم کردی گئیں اور جذبات اوستاذی اعلم العلماء و افضل الفضلاء مولانا محمد نور الحسن صاحب سامۃ اللہ تعالیٰ (مرحوم و مغفور) کی اصلاح سے صحیح و درست ہوا ۔

(یو یو)

خون مصنف کا لکھا ہوا

مورخہ جون سنہ ۱۸۷۸ ع

یہ کتاب اُس زمانہ میں لکھی گئی تھی جبکہ لوگوں کی دیکھا دیکھی مولود کی مجلس کادل میں بڑا شوق تھا، ہر مہینے کی دوازدہم کو لوگ جمع ہوتے تھے، سوا لاکھ دفعہ چوارے کی گتھلیوں پر درود پڑھا جاتا تھا، اور ختم کے بعد شیرینی بٹتی تھی، اور ہر کو لوگ بہت نیک اور محب رسول سمجھتے تھے، حالانکہ اُس زمانہ میں ہمنے نہ رسول کو سمجھا تھا اور نہ رسول کی معصیت کو — اُسی زمانہ میں بہت سے رسالے مولود کے دیکھے، اُس وقت کے خیال کے مطابق بھی اُن میں ایسی باتیں معلوم ہوئیں جو ٹھیک نہ تھیں، اور بجائے اسکے کہ اُن میں آنحضرت صلعم کے حالات بیان ہوں وہ رسالے زیادہ تر مرثیہ خوانی یا کتاب خوانی کے جسکا رواج محترم کی مجلسوں میں ہی مشابہ تھے، اسلئے دل میں آیا تھا کہ ایک مختصر رسالہ جو بطور بیان حالات اور واقعات کے ہو اور جس میں نامعتبر باتیں نہوں لکھا جاوے، مگر اب افسوس ہوتا ہے کہ اس میں بھی بہت سی نامعتبر ہلکہ لغو باتیں ہیں *

بڑا ماخذ اس رسالہ کا سرور المعزوں ہی جسکو شاہ ولی اللہ صاحب نے تصنیف کیا تھا، اور کچھ باتیں مدارج النبوت سے جس میں ہزاروں لغو و نامعتبر کہانیاں مندرج ہیں لی گئی تھیں، اُس زمانہ میں تو اس رسالے کے لکھنے پر بڑا فخر تھا مگر اب اُسکو دیکھ کر تعجب ہوتا ہے *

مولود کی مجالس کی نسبت جو خیال اُس زمانہ میں تھا اُس میں بھی انقلاب عظیم ہو گیا ہے، اُس وقت خیال تھا کہ مولود کی مجلس ایک مذہبی امر اور بہت بڑے ثواب کا کام ہے، اور بہشت کی نعمتوں کے ملنے کی کنجی ہے، مجالس مولود میں پیغمبر صاحب کی ارواح پاک موجود رہتی ہی، اور رحمت کے فرشتے اترتے رہتے ہیں،

خصوصاً ہماری مجلس میں جو بالکل سادہ اور زواید بیہودہ سے آزاد اور صرف دُرد خوانی ہی اور تمام باتوں سے جو مشابہ مرثیہ خوانی یا کتاب خوانی کی ہوں پاک ہی *

جب مذہبی مسائل میں زیادہ تر پختگی ہوئی، اور اُن عقاید کی جانب میلان ہوا جسکو وہابیت کہتے ہیں، تو مجلس مولود کو بدعت سمجھا، کیوں کہ اسکا وجود قرون مشہود لہا بالخیر میں نہ تھا کئی سو برس بعد آنحضرت صلعم کے انتقال کے اُسکا رواج ہوا ہی، اور حدیث میں آیا ہی کہ ”من احدث فی امرنا هذا فهو رد“ — وکل بدعة ضلالة — اور اب شاید معتزلیت زیادہ چر گئی ہی جو یہ خیال ہی کہ ایک کے فعل کا خواہ وہ اُس قسم سے ہو جسکو عبادت بدنی کہتے ہیں اور خواہ اُس قسم سے ہو جسکو عبادت مالی کہتے ہیں دوسرے پر خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ کچھ اثر نہیں ہوتا — قرآن و فاتحہ پڑھ کر ثواب بخشنا یا ملائوں کو بغرض ایصال ثواب کھانا کھانا بالکل لاحاصل محض اور یہمہ وجوہ ہندوؤں کے اُس فعل کے مشابہ ہی جو اپنے بزرگوں کو ثواب پہونچانے کے لیئے باہمنوں سے کتھا اور منتر پڑھواتے ہیں اور باہمنوں کو جماتے ہیں اور گیا و پراگ میں جاکر پنڈ دان کرتے ہیں — اور اب اسپر یقین ہی کہ تہیت اسلام کا یہی سچا مسئلہ ہی *

جشن مولود اگر بطور یادگار اُس دن کے ہو جس میں ایسا بڑا شخص پیدا ہوا جس نے تمام دنیا کو سچائی سے روشن کیا، تمام عالم میں خدا پرستی کو شایع کیا، ہر ایک کو ہدایت کا رستہ بتایا، اور یہمہ کہا کہ — انا بشر مثکم یوحی الی انما الہکم الہ واحد — اور صرف یہمہ کہا ہی نہیں بلکہ اس قول سے تمام دنیا کے مذاہب کو اولت دیا بت پرستی کو جزیرہ عرب سے ملادیا، متفرق قوموں کو ایک کردیا، تمام جابر اور گمراہ سلطنتوں کو نیست و نابود کردیا تو اس جشن عظیم کا ہر سال ہونا نہایت عمدہ بات ہی، اسیلئے کہ پرانی تاریخ کی یادگاروں کو زندہ رکھنا، افضل ترین بنی نوع انسان کے ہائمی احسانوں کا اعتراف کرنا ہی، اور آئندہ اُنہی نواید اور نیکیوں کی جو اُنہوں نے جاری کیں، ہمیشہ قائم رکھنے کی نیت کا دکھانا، اور ہمت کا دلانا ہی، قومی اتحاد کا جو اصلی باعث ہوا اُس کی یاد سے قومی اتحاد بڑھتا ہی، جس کی نیکیوں کا اثر ہم پر پڑا اُسکا احسان ماننے سے طینت کی نیکی زیادہ ہوتی ہی اور نیکی کے قیام کو بہت زیادہ استحکام ہوتا ہی، مگر جب ہی ہوتا ہی جبکہ مذہبی خیالات جو انسان کو معاد کے ثواب و عذاب کی طرف مایل کرتے ہیں اور اصلی سبب کو دل سے بھلا دیتے ہیں، اور انسان کے تمام

قدرتی جذبات کو دبا دیتے ہیں اُن کا اُس میں کچھ اثر نہ ہو، پس چار آدمیوں کا بیٹھ کر اور نعتیہ چند اشعار پڑھ کر رو لینا بیفائدہ کام ہی، بلکہ بعرض اس کے جشن عظیم الشان کیا جاوے، شہر آراستہ ہوں، روشنیاں کی جاویں، اور خوشیاں منائی جاویں، اور جہاں تک ممکن ہو شان و شوکت و حشمت اُس نبی پاک کے پیروں کی دکھلائی جاوے، تو بے شک وہ فواید اُس سے مل سکتے ہیں، گو کہ بہت لوگوں کے نزدیک ایسے امر کی خوشی کرنا انسان کی روح کی ترقی مدراج کا بھی باعث ہو جسکا نام ثواب ہی، اور اگر اس سے صرف ثواب کی گتھریاں باندھنی مقصود ہوں اور اسی مقصد سے یہ مجلس بطور ایک مذہبی رسم کے کی جاوے، تو تو کل بدعتہ ضلالتہ ہی *۔

اس رسالہ میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جو حال کے یقین کے بالکل برخلاف ہیں — آنحضرت صلعم بلاشبہ شفیع امت ہیں، کیوں کہ آپ نے وہ راہ بتائی ہی جسپر چلنے سے نجات ہوتی ہی، مگر یہ سمجھنا کہ قیامت میں گناہ بخشوا لینگے یہ تو بالکل عیسائیوں کے مسئلہ کے مطابق ہی، جو یہ سمجھتے ہیں کہ عیسیٰ مسیح تمام امت کے گناہوں کے بدلے میں فدیہ ہو گئے — شق قمر کا ہونا محض غلط ہی اور بانی اسلام نے کہیں اسکا دعویٰ نہیں کیا — کسری کے محل کے کنجوروں کا گرنا — آتش گدہ کی آگ کا بجھنا — ساوہ کے چشمہ کا خشک ہونا — بحیرا کا آنحضرت کو نبی ہونے کی خوشخبری دینا — درختوں اور پتھروں کا سجده کرنا — ایک درخت کے سایہ میں اترنے کے سبب میسرہ کا آپ کو پیغمبر ہونے کی خبر دینا — دھوپ روکنے کو دو فرشتوں کا سایہ کرنا — جبرئیل کا تین دفعہ بغل میں بھیجنے — جنوں کا جن سے ایک ایسی خلقت جو متشکل باشکال مختلف ہو جاتی ہی مراد ہی ایمان لانا — ان میں سے کوئی بات بھی اُن اصول کے مطابق جو صحت روایت کے لیئے درکار ہیں اور جنکا ذکر مینے خطبات احمدیہ میں لکھا ہی ثابت نہیں ہیں — معراج کا بیان بھی جس طرح اس رسالہ میں لکھا ہی صحیح نہیں ہی، جو صحیح ثابت ہوا ہی وہ اس کے بعد کی تصانیف میں مندرج ہی، مہر نبوت کا ذکر بھی صحیح نہیں ہی، راویوں نے اس کے بیان میں غلطی کھائی ہی جس کی تفصیل ہماری کتابوں میں ملے گی *۔

آنحضرت صلعم کے بہت سے معجزات بھی اس رسالہ میں مندرج ہیں جس میں شق قمر کا معجزہ بھی شامل ہی جس سے اکثر علماء محققین نے بھی انکار کیا ہی — قرآن مجید کی فصاحت بے مثل کو معجزہ سمجھنا ایک غلط فہمی ہی — فاتوا بسورۃ من مثله کا یہ مقصد نہیں ہی اسکا بیان ہماری تفسیر میں ملے گا، باقی

جسقدر • معجزے اس رسالہ میں بیان ہوئے ہیں وہ میری تحقیق میں حد ثبوت کو نہیں پہنچے *

حجةالوداع کے ارکان جو بیان ہوئے ہیں انکی تحقیق و اصلیت بھی ہماری تصانیف میں ملے گی ، وفات کے واقعہ میں جو عجیب روایتیں ہیں اور جن میں حضرت خضر کا تشریف لانا بھی بیان ہوا ہے ، وہ سب بے سند و غیر ثابت ہیں اتنی بات سچ ہی جیسا کہ اسے موقع میں ہوا کرتا ہے ، سب لوگ خلافت کی فکر میں پڑ گئے ، مگر جن کو خاص ذاتی تعلق آنحضرت سے تھا انہوں نے ہی آپ کی تجہیز و تکفین کی *

تحفه حسن

. ترجمه مطاعن حضرت ابوبکر صدیق از باب ده

تحفه اثنا عشریه

و ترجمه باب دوازدهم — تولا و تبرا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تحفہ حسن

مؤلفہ سنہ ۱۲۹۰ ہجری مطابق سنہ ۱۸۴۴ ع

اُس خداوند مقدس ہی کو سب تعریفیں پہنچتی ہیں جو ہر عیب اور نقصان سے پاک ہے، اور اُسکے کسی کام میں طعنہ تشنہ کا مقام نہیں، جو کیا وہ عین حکمت ہی، اور جو کرتا ہی وہ عین مصلحت ہی، اپنے بندوں کے واسطے کیا کیا کچھ کیا، رسول بھیجے، سیدھی راہ بتائی، بھلے بڑے کی سمجھ سکھائی، اور درود اور رحمت پہنچے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کو کہ اُنکے نور ہدایت سے عالم روشن ہوا، گمراہوں نے سیدھی راہ سیکھی، دوزخ کے عذاب سے بچے، اپنے معبود کو پہچانا، اور اپنے پیدا ہونے کا سبب جانا، اور اُن کی ال اور اصحاب اور خلفائے راشدین پر اللہ کی رحمت ہو، کہ اُنہوں نے دین کے چمکنے کے لیئے اپنی جان مال اللہ کی راہ میں فدا کی، طرح طرح کے دکھ اُٹھائے، انواع انواع کی مصیبتیں سہیں، دنیا کے مزوں کو چھوڑا، خدا کی راہ کو پکڑا *

اما بعد دنیا میں وہی بات اچھی ہی جس سے کسی کو فائدہ پہنچے، اور وہی شخص اچھا ہی جس سے لوگ نفع اُٹھائیں، اور سب سے بڑا نفع دین کا ہی، اور جس سے دین کی بات رواج پاورے اور مسلمان اُسے سیکھیں وہی شخص بھلا ہی، اس خیال سے اس گنہگار سید احمد حسینی الحسفی غفر اللہ ذنوبہ کے دل میں یہ بات آئی کہ کوئی کتاب ایسی لکھی جارے جس سے سب کو نفع پہنچے، اور ثواب عظیم ہووے، جبکہ میں نے غور کیا تو اس زمانہ کے عوام کو خلفائے راشدین کے حال سے غافل پایا، اور شیعوں نے جو خلفائے راشدین کی نسبت جھوٹی جھوٹی باتیں بنائی ہیں وہ سب باتیں اُن کے مذہب کا لڑکا لڑکا چوہا چوہا نوک زبان رکھتا ہی † اور عوام اُن باتوں کو سنکر

† ایک میرے نہایت دوست شیعیہ مذہب تھے اُن کے ہاں ایک چھوٹا بچہ تھا جسکو ایک پکڑی کا بچہ پال دیا تھا اور وہ خوب اُس سے مل گیا تھا ایک دن اُس پکڑی کے بچے کو ذبح کر ڈالا وہ چھوٹا بچہ خوب رویا اُس کے بارے اُس سے کہا کہ عمو یہ کام کر گیا وہ بچہ عمو کو برا بھلا کہتا تھا یہ کام صرف اس لیئے کیا تھا کہ بچپن ہی سے اُن کے دل میں عمو کی عداوت اور اُن کے نام سے نفرت پیدا ہو اسی واقعہ کو دیکھ کر میں نے یہ ترجمہ شروع کیا تھا — دل ایک ایسی چیز ہی کہ جب اُس میں عداوت کی کو کہ وہ یزید ہی سے ہو اور ثقی کی گر وہ کسی حالت میں ہو جز بددھتی ہی تو اُس کی نیکی و صفائی گندی و کدلی ہو جاتی ہے اس لیئے جیسے کہ میں شیعوں کے مسئلہ حب اہل بیت کو پسند کرتا ہوں ویسا ہی اُن کے مسئلہ تورا و تقیہ کو ڈا پسند کرتا ہوں اور دلی نیکی اور صفائی اور سچائی کے بالکل برخلاف جانتا ہوں — مورخہ سنہ ۱۸۷۸ ع

حیران ہوتے ہیں اور ڈنگانے لگتے ہیں، اور جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ العزیز نے جو تحفہ اثنا عشریہ لکھی ہی اُس سے تحفہ کوئی کتاب ہو نہیں سکتی، اور بن نہیں آتی، اس واسطے مینے اُس کتاب کے دسویں باب سے مطاعن حضرت ابوبکر صدیق کا جو خلیفہ اول ہیں صاف صاف اُردو زبان میں ترجمہ کیا کہ چھوٹے سے بڑے تک اور جاہل سے عالم تک کو فائدہ پہونچے، اور شیعوں کی اوجھی اوجھی باتیں سب کو معلوم رہیں، اور اس ترجمہ کا نام تحفہ حسن رکھا، اگرچہ ظاہر ہی کہ اس ہیچمدان کو اتنی کہاں استعداد تھی کہ تحفہ کے ترجمہ کا نام لیتا بلکہ اُس کا خیال بھی دل میں لاتا، لیکن جناب اوسٹادی اور ملاذی حضرت مولوی محمد نور الحسن صاحب کو اللہ تعالیٰ سلامت رکھے، اور دین دنیا میں اُن کا بھلا کرے کہ اُنہوں نے میرے دل کو تقویت دی، اور سب طرح کی ذمہ داری کی، جب مینے اس پر ہاتھ ڈالا اور ترجمہ کا ارادہ کیا، شکر خدا کا کہ یہ سارا ترجمہ اُنکی اصلاح سے درست ہوا اور اُن کے ملاحظہ سے گذرا ہی اب اللہ سے یہ اُمید ہی کہ سب کے پسند آوے اور اس کے سبب سے لوگوں کو ہدایت ہووے، اور مجھے اور مولانا کو ثواب ملے و آخر دعونا ان الحمد لله رب العالمین و صلی اللہ علی خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین *

دسواں باب

اصحابِ ثلاثہ اور اور اصحابوں اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کے مطاعن میں جو شیعوں نے اپنی دانست میں سنیوں کی کتابوں سے نکالے ہیں اور ہر ہر طعنہ کے جوابات کے بیان میں

یہ جان لو کہ دنیا میں ایسا کوئی شخص نہیں ہی کہ اُس کے اربو عیب چینیوں اور دشمنوں نے عیب نہ لگائے ہوں بلکہ خدا کو بھی نہیں چھوڑا — اور معتزلہ نے حضرت آدم سے لیکر ہمارے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم تک سب نبیوں کی طرف صغیروں اور کبیروں کی تہمت لگا کر آیتوں اور حدیثوں سے ثابت کیئے ہیں — اور یہودیوں نے قرشتوں کو اور خارجیوں اور ناصبیوں نے جناب علی مرتضیٰ اور اہل بیت اطہار کی نسبت ایسا کچھ بکا ہی کہ کیا کہیئے — لیکن عقلمندوں پر ظاہر ہی کہ یہ سب کُڑوں کا

ہوٹکا ہی جب چاندنی نکلتی ہی گتے ہوٹکا ہی کرتے ہیں — ایسی باتوں سے ان بزرگوں کے مرتبہ میں کچھ نقص نہیں ہوتا ، خلفائے ثلاثہ کی بزرگی میں ایک یہ بات بس ہی کہ شیعوں نے باوجود اس دشمنی اور عداوت کے انہی مدت میں دھوند دھوند کر چند شبے کہ اُن کی بھی کچھ حقیقت نہیں نکالے ہیں خیال کرنا چاہیئے کہ جو شخص صرف اپنے گھر کے اہتمام میں ہوتا ہی اُس سے دن بھر میں دس طرح کی بھول چوک ہوتی ہی یہ بزرگ ملکوں کی ریاست اور شریعت کے احکام جاری کرتے تھے ان سے تمام عمر میں دشمنوں کی آنکھوں میں دس بارہ گام بُرے ہوئے کہ اُن کی بھی کچھ اصل نہیں اور باقی سب اچھے خیال کرو کہ یہ لوگ کیسے بزرگ اور معتاد ہوئے *

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مطاعن

اور وہ پندیرہ ہیں

پہلا طعنہ

ایک دن حضرت ابوبکر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر چڑھے کہ خطبہ پڑھیں حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین علیہما السلام نے فرمایا کہ اے ابوبکر ہمارے نانا کے منبر پر سے اوتر پس معلوم ہوا کہ ابوبکر اس کام کے لائق نہ تھے *

جواب

سب کے نزدیک ثابت ہی کہ حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین علیہما السلام حضرت ابوبکر کی خلافت میں بہت چھوٹے تھے اس واسطے کہ رمضان کے مہینے میں ہجرت سے تیسرے برس حضرت امام حسن علیہ السلام اور شب بارات کے مہینے میں چوتھے برس حضرت امام حسین علیہ السلام پیدا ہوئے ہیں اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے گیارہویں برس کے شروع میں انتقال فرمایا ہی اب در حال سے خالی نہیں یا یہ کہ شیعہ اُن دونوں اماموں کے قول اور فعل کو جو لوگوں میں صادر ہوئے معتبر جانکر اُن پر شرع کے حکم جاری کریں ، یا چھتہین کے سبب معتبر نہ رکھ کر حکم جاری کریں ، پہلی صورت میں تقیہ کا چھوڑنا کہ اُن کے نزدیک واجبات سے ہی لازم آتا ہی ، اور رسول کے خلف ہوتا ہی اس واسطے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بُدۂ سے پھر تک پانچویں وقت کی نماز میں حضرت ابوبکر کے نہیں اپنا خلیفہ کیا تھا ، اور اس عرصہ میں خطبہ اور جلسہ کی نماز ہی انہیں کی خلافت سے ہوئی ، اور جذاب علی مرتضیٰ کے بھی برخلاف ہوتا ہی اس واسطے کہ حضرت نے اُن کے پیچھے

نہاڑ پڑھی، اور جمعہ کی نماز اور خطبہ کو درست رکھا، اور دوسری صورت میں کچھ نقصان نہیں ہوتا، اور کچھ طعنہ اور بُرا کہنے کا مقام نہیں بلکہ لوگوں کا یہ قاعدہ ہی کہ اگر کسی کے تئیں اپنے بزرگ کی یا جس سے ملے ہوئے ہیں اُس کی جگہ پر بیٹھا یا اُسکی کچھ چیز اُڑ کسی پاس دیکھیں گو اُس کی مرہی ہی سے کیوں نہ تو بھی مچلتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ دیدو پس یہ قول دلیل نہیں ہو سکتا، اور اگرچہ نبی اور امام اپنی بزرگی کے سبب اور سب لوگوں سے ممتاز ہیں، لیکن بشریت اور لوگوں کی عادتیں اُن میں بھی باقی ہیں، اسی واسطے مقتدی ہونے کو بالغ ہونا ضرور ہی، بلکہ چالیس برس سے پہلے سوائے ایک آدمہ شخص کے نبوت نہیں ملی اور ایک آدمہ کا ہونا اور نہونا برابر ہی، مثل مشہور ہی کہ ”الصبي صبي و لو كان نبياً“ یعنی لڑکا لڑکا ہی اگرچہ نبی ہو *

دوسرا طعنے

یہ ہی کہ مالک بن نویرہ کی چورو بہت خوبصورت تھی — خالد بن ولید نے کہ حضرت ابوبکر کے ہاں امیرالامرا تھا اُس سے نکاح کرنے کے لیے مالک کے تئیں کہ مرد مسلمان تھا مارا — اور اُسی رات اُس سے نکاح کر کے مجامعت کی — اور چار مہینہ دس دن عدت کے گزرنے کی راہ ندیکھی — اور اُس سے زنا ہوا اس واسطے کہ عدت کے دنوں میں نکاح درست نہیں — اور حضرت ابوبکر نے خالد پر نہ حد زنا ماری نہ قصاص لیا — حالانکہ قصاص اور حد زنا لینا ابی بکر پر واجب تھا — اور حضرت عمر نے حضرت ابابکر کی اس بات کو ناپسند کیا — اور خالد سے کہا کہ اگر میرے ہاتھ یہ کام ہوتا تو میں تجھ سے قصاص لیتا *

جواب

اس طعنہ کا جواب اس قصہ کے بیان کرنے پر موقوف ہی — جاننا چاہیئے کہ تاریخ کی معتبر کتابوں سے ثابت ہی کہ + طلحہ بن خویلد اسدی متنبی کی مہم سے فراغت کرنے کے بعد خالد بطلح کی طرف گئے — اور سب طرف لشکر بھیجا — اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق کے موافق فرمایا — کہ اگر کسی قوم سے لڑو — اور اُس قوم سے اذان کی آواز سنو — تو مارنا اور لوٹ نا موقوف کرو — اور اگر تمہارے کان تک اذان کی آواز نہ پہنچے تو اُس جگہ کو دارالکرب سمجھ کر لوٹو اور مارو اتفاقاً ایک

+ طلحہ بن خویلد اسدی وہ شخص ہی جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا *

لشکر کہ اُس میں ابو قتادہ انصاری بھی تھے مالک بن نویرہ کو کہ پیغمبر خدا کے حکم کے بموجب بطاح کی ریاست اور وہاں کے باشندوں سے صدقہ لینا اُس سے متعلق تھا خالد پاس پکڑ لایا — ابو قتادہ نے گواہی دی کہ میں نے اس کی قوم میں سے اذان کی آواز سنی ہی — اور باقی سب لشکر کے آدمیوں نے برخلاف اُس کے کہا — اور اُس پاس کے باشندوں کی گواہی سے یہ بات ثابت ہو گئی تھی کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر پہونچنے کے وقت اس مالک بن نویرہ کی عورتوں نے مہدی لگائی تھی اور دائرہ بجایا تھا — اور جتنی باتیں خوشی کی تھیں سب کی تھیں — اور مسلمانوں پر ہنسیں تھیں ، اور مالک نے خالد کے سامنے سوال جواب کے وقت پیغمبر خدا کے حق میں یہ کلمہ کہا — قال رجلکم او صاحبکم کذا — یعنی کہا تمہارے آدمی یا تمہارے ساتھی نے ایسا ، اور اس طرح آنحضرت علیہ السلام کو مسلمانوں کی طرف نسبت کرنا اُس وقت کے کافروں اور مرتدوں کا شیوہ تھا ، اور اس سے پہلے یہ بات بھی تحقیق ہو گئی تھی کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر پہونچنے کے وقت اسی مالک بن نویرہ نے جتنے صدقہ نہ اُس قوم سے لیئے تھے سب پیہر دیئے ، اور کہا کہ اب اس شخص کی تکلیف سے چھوٹے ، اور پھر خالد کے سامنے بھی اُس سے بے ایمانی کی باتیں صادر ہوئیں خالد نے حکم دیا کہ اس کے تئیں مار ڈالو ، جب کہ یہ خبر مدینہ منورہ میں پہونچی ، اور خالد کی اس حرکت سے ابو قتادہ انصاری خفا ہو کر دار الخلافۃ میں آئے ، اور خالد پر تہمت خطا کی لگائی ، حضرت عمر نے پہلے یہ بات جانی کہ یہ نادر خون ہوا ، اور خالد پر قصاص چاہیئے ، جب کہ حضرت ابوبکر نے خالد کو طالب کیا اور اُس سے حال پوچھا تب اصل حقیقت معلوم ہوئی ، اور خالد کو حق پر جان کر چھوڑ دیا ، اور پھر اُسی امیر الامرائی کے منصب پر بحال فرمایا ، اب اس قصہ کو سوچ کر شرع کے موافق حکم کرنا چاہیئے کہ اس صورت میں خالد پر کیونکر قصاص ہو سکتا ہی اور کس طرح زنا کی حد واجب ہوتی ہی ، اور اگر یہ بات کہو کہ حربی کی عورت کے لیئے بھی ایک حیض کی راہ دیکھنی چاہیئے ، اور بغیر گذرنے ایک حیض کے اُس سے صحبت درست نہیں ، اور خالد نے اتنا بھی انتظار نہ کیا ، اسکا جواب یہ ہی ، کہ یہ طعنہ خالد پر ہی نہ حضرت ابوبکر پر ، اور خالد کچھ معصوم اور سب مسلمانوں کا امام تھا ، اور سوائے اس کے یہ روایت کہ خالد نے اُسی رات اُس عورت سے صحبت کی کسی معتبر کتاب میں نہیں ہے ، اور اگر بعضی غیر معتبر کتابوں میں پایا جاتا ہی ، تو اُسکے ساتھ یہ بھی روایت موجود ہی ، کہ مالک نے اس عورت کو مدت سے

طلاق دیکر کفار کی رسم کے موافق قید کر رکھا تھا ، اور اسی بات کے موقوف کرنے کے واسطے یہہ آیت نازل ہوئی ہی — و اذا طلقتم النساء فباغن اجلهن فلا تعضلوهن — یعنی اور جب طلاق دی تم نے عورتوں کو پھر پہنچ چکیں اپنی عدت تک تو اب نہ روکو انکو ، پس اس دور میں اُسکی عدت ہو چکی تھی ، اور نکاح اُسکا حلال تھا اسی واسطے خالد نے اور عدت کا انتظار نہ کیا ، اور سب سنیوں کا یہہ ہی مذہب ہی ، اور شیعہ جو اہل سنت کے الزام دینے کا ارادہ رکھتے ہیں اور صحابہ کے طعن اُن کے مذہب اور اُن کی روایتوں سے ثابت کرنا چاہتے ہیں تو لازم ہی کہ روایات اور مسائل اس مذہب کے ملحوظ رکھیں اور نہیں تو مقصد حاصل نہ ہوگا ، فی الاستیعاب و امرہ ای خالد ابوبکر الصدیق علی الجیوش ففتح اللہ علیہ الیمامۃ وغیرہا و قتل علی یدیدہ اکثر اہل الردۃ منهم مسیلمہ و مالک بن نویرۃ الی آخر ما قال — یعنی † استیعاب میں لکھا ہی کہ حاکم کیا خالد کے تئیں ابوبکر نے اوپر لشکر کے پس فتح ہوا اُس کے ہاتھوں پر ملک ‡ یمامہ کا اور سوائے اُس نے ، اور مارا خدا تعالیٰ نے اُس کے ہاتھ سے اکثر مرتدوں کو ، اُن میں سے مسیلمہ اور مالک بن نویرۃ ہی *۔

اُور جواب

یہہ بات ہم نے مائی کہ مالک بن نویرۃ مرتد نہ تھا ، لیکن خالد کے تئیں بے شک اُسکے مرتد ہونے کا شبہ تھا والقصاص ینذری بالشہات ، یعنی قصاص جاتا رہتا ہی شہدوں سے اور سنی اور شیعوں کے عالم اور مفتی اس بات میں کیا فتویٰ دیتے ہیں ، کہ اگر کسی شخص سے یہہ باتیں جو مالک بن نویرۃ سے ہوئیں واقع ہوں ، یا عشرۃ کے دن خوشی کرے ، اور حضرت امام حسین علیہ السلام اور اہلبیت اطہار اور اولاد بتول § کی نسبت کہ اُس دن مصیبت میں گرفتار تھے بُری باتیں کہے ، اُسکے تئیں کیا کہنا چاہیئے ، اگر اُسکو مرتد کہو تو تو بہتر ، اور اگر کُرُئی شخص ان حرکتوں کو اور ایسی باتوں کو دیکھ کر اس شبہ سے اُسکے تئیں مار ڈالے کہ یہہ مرتد ہو گیا ، تو اُس سے قصاص لینا چاہیئے یا نہیں *۔

† استیعاب سنیوں کی کتاب ہی ابن مبدلہ اُسکا مصنف ہی *۔

‡ یمامہ چند شہر ہیں مدینہ کے شرق کی طرف ہضرة سے سولہ منزل مسیمہ نے وہاں دمری نبوت کا کہا تھا *۔

§ اولاد بتول جناب فاطمہ علیہا السلام کی اولاد کہتے ہیں کہ بتول حضرت نامامہ کا لقب ہی *۔

اُور جواب

حضرت ابوبکر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ تھے کچھ شیعہ اور سنی کے خلیفہ نہ تھے، اور اُن کے تئیں انکی خواہش اور مطلب کے موافق کام کرنا نہیں پہونچتا بلکہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر کام کرنا چاہیئے، اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اسی خالد بن ولید نے صدہا مسلمانوں کے تئیں مرتد ہونے کے شبہ سے مفت مارا تھا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز متعرض نہوئے کہ یہ سب تاریخوں سے ثابت ہی، اور اُنکا قصہ یوں ہی کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد کے تئیں ایک لشکر پر سردار کر کے بھیجا، اور ایک قوم سے مقابلہ ہوا، اور وہ قوم مسلمان ہوگئی تھی، لیکن ابھی اسلام کے قاعدے اچھی طرح نہیں جانتی تھی، جسوقت اُنکو مارنے لگے، اُسوقت اس بات کے کہنے کی جگہ نہ تھی کہ ہم مسلمان ہیں اُن لوگوں نے یہ بات کہی کہ، ”صباونا صباونا“ یعنی ہم نے دین چھوڑا ہم نے دین چھوڑا اور اُس سے مراد یہ تھی کہ ہم نے اپنے پہلے دین کو چھوڑا اور اسلام قبول کیا، خالد نے کہا کہ ان سبکو مار ڈالو عبداللہ † بن عمر نے کہ وہ بھی خالد کے ساتھ متعین تھے اپنے یاروں اور رفیقوں کو تاکید کی کہ ان کے تئیں نہ مارو اور قید رکھو، جب کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پہونچے اور یہ ماجرا کہا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم خفا ہوئے اور بہت افسوس کیا اور فرمایا کہ، ”اللہم انی اُبرء الیک مما صنع خالد“، یعنی اے خدا میں پاک ہوں اس سے جو خالد نے کیا ہی، اور پھر نہ خالد پر قصاص جاری فرمایا، اور نہ اُس سے دیت ‡ دلوائی، اس واسطے کہ خالد کے تئیں اُن کے تفر کا شبہ تھا، پس ابوبکر صدیق نے ایک شخص کے خون کے لیئے کہ اس شبہ سے اُس کا شبہ قوی تھا خالد سے کچھ تعرض نہ کیا تو کیا برا کیا، بلکہ ابوبکر نے بمزید احتیاط بیت المال سے مالک کی دیت یہی دلوائی *

اُور جواب

اگر مالک بن نویرہ کا قصاص نہ لینے سے حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت جاتی رہی تو جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کی خلافت حضرت عثمان کے قصاص نہ لینے سے

† عبداللہ بن عمر حضرت عمر کے دو درجے خلیفہ برحق ہیں بیٹے تھے نہایت بزرگ اور زاہد تھے *

‡ دیت اُس مال کو کہتے ہیں کہ اگر کسی کے ہاتھ سے کوئی پورے سے مارا جائے تو مارنے والے کے ذمہ اُس کا دینا آتا ہی *

بدرجہ اولی جاتی رہیگی اس واسطے کہ حضرت عثمان میں کوئی وجہ قتل کی نہ تھی پس جس صورت میں سنی اس بات کے تئیں جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کی خلافت کا قانع نہیں جانتے تو اُس کے تئیں کیوں جاننے لگے تھے اور کچھ ان پر الزام نہیں ہو سکتا *

اُذر جواب

مالک بن نویرہ کا قصاص خالد سے لینا حضرت ابوبکر پر اُس وقت واجب ہوتا کہ مالک کے وارث قصاص طلب کرتے اور یہ بات ہوگئی ثابت نہیں کہ اُس کے وارثوں نے قصاص طلب کیا، بلکہ متم بن نویرہ مالک کے بھائی نے کہ مالک سے عشق اور اُس سے بہت محبت رکھتا تھا اور جب تک جیا رویا پینا کیا اور مرثیہ کہے کہ عرب میں مشہور ہیں اور یہ دو بیتیں اُسی میں سے ہیں بیت

و کنا کذ مائی جذیمۃ حقیۃ * من الدھر حتی قیل لن یتصدعاً
فلما تفرقنا کانی و مالکاً * لطول اجتماع لیاۃ لم نہت معاً

یعنی تھے ہم مانند دو مصاحبوں جذیمہ † کے ایک مدت دراز تک یہاں تک کہ کہا جاتا تھا کہ یہ کبھی جدا نہوئگے پھر جب جدا ہوئے گویا کہ میں اور مالک باہیں درازی صحبت نہیں رہے کبھی ایک رات ساتھ ' حضرت عمر کے سامنے اُسکے مرتد ہونے کا اقرار کیا، پھر تو حضرت عمر بھی اُس انکار سے جو حضرت ابوبکر کے زمانہ میں کیا کرتے تھے نادم ہوئے اور معترف ہوئے کہ حضرت صدیق نے جو کچھ کیا وہ ہی عین صواب اور حق تھا، اور اس بات پر بڑی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر نے باوجود اس شدت کے کہ حد اور قصاص کے جاری کرنے میں رکھتے تھے اپنی خلافت میں خالد سے معترض نہ ہوئے اور نہ اُسپر حد ماری اور نہ قصاص لیا *

تیسرا صلحہ

یہ ہے کہ اُسامہ † کے لشکر سے جدا ہوگئے اور اُس کے ساتھ نہ گئے حالانکہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس لشکر کو آپ رخصت فرمایا تھا اور ہر شخص کو نام بنام متعین کیا تھا اور مرتے دم تک اُس لشکر کے سامان درست کرنے میں بہت تاکید کی تھی

† جذیمہ ابوش نام ایک بادشاہ کا تھا ملک حیمہ میں *

† نام صحابی کا ہی زید بن حارث کے بیٹے ہیں اور زید حضرت کے لیے مالک تھے حضرت نو ان دونوں کے ساتھ گوال الفہ تھی *

اور فرمایا تھا کہ، ”جہزوا جيش أسامة لعن الله من تخلف عنها“ یعنی سامان کرو تم لشکر اسامہ کو لعنت ہی اللہ کی اُس شخص پر جو بیٹھ رہے اُس سے *.

جواب

اس طعن کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوبکر پر کس وجہ سے طعن کرتے ہیں سامان نہ دینے کے سبب یا نہ جانے کے سبب سے، اگر پہلی وجہ سے ہی تو بالکل جھوٹ ہے، اس واسطے کہ حضرت ابوبکر نے باوجودیکہ اور اصحاب کی مرضی نہ تھی جب بھی اسامہ کے لشکر کو آراستہ کیا، اس کی تفصیل یوں ہی کہ صفر کی چھبیسویں تاریخ پیر کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ رومیوں کی لڑائی اور زید † بن حارثہ کا بدلہ لینے کو لشکر تیار کرو، اور پیر کو اسامہ بن زید کے تئیں لشکر کا سردار کیا اور صفر کی اٹھائیسویں تاریخ بدھ کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے اور دوسرے دن باوجود بیماری کے اپنے دست مبارک سے اُسکے واسطے نشان درست کر کے فرمایا، ”اغز بسم الله و في سبيل الله و قاتل من كفر بالله“، یعنی جہاد کر اللہ کے نام کی برکت سے لڑ اللہ کی راہ میں اور مار اُس شخص کے تئیں جو منکر ہو اللہ کا، اسامہ اُس نشان کو اپنے ہاتھ میں لیکر باہر آیا اور بریدہ ‡ بن العصیب اسلمی کے تئیں دیا کہ لشکر میں نشان بردار وہ ہو اور موضع جرف § میں منزل کی، اور سب بزرگوار کیا مہاجر اور کیا انصار مثل ابوبکر صدیق اور عمر بن الخطاب اور عثمان اور سعد بن وقاص اور ابو عبیدہ بن الجراح اور سعید بن زید اور قتادہ بن النعمان و سلمہ بن اسلم || نے ڈیرے اور خیمہ باہر بھیجے اور چاہتے تھے کوچ کریں کہ بدھ کے اخیر دن اور جمعرات کی اول شب آنحضرت کو مرض نے زیادتی کی اور اس سبب سے ایک تہلکہ ہوا اور عشا کے وقت جمعرات کی رات کو آنحضرت نے حضرت ابوبکر کو نماز میں اپنا خلیفہ کر کے اس خدمت پر مامور کیا، اور ربیع الاول کی دسویں کو ہفتہ کے دن آنحضرت کے مرض میں افاقہ ہوا، جتنے مسلمان کہ اسامہ کے ہمراہ متعین ہوئے تھے سب آنحضرت سے رخصت ہو کر باہر آئے، اور اسامہ سے آنحضرت بغاگیر ہوئے اور دعا دیکر رخصت کیا، اتوار کے دن پھر مرض نے شدت کی، اس واسطے اسامہ نے اور اُس کے لشکر والوں نے پھر توقف کیا، جو کہ اس مہم میں آنحضرت کی بہت تاکید تھی اس واسطے پیر کے دن اسامہ نے چاہا کہ سوار ہو، یکایک

† زید بن حارثہ اسامہ کے بپ تھے اور لے ہالک تھے آپ کے *.

‡ بریدہ بن العصیب صحابی کا نام ہے *.

§ جرف عنق کے رزن پر ایک مکان ہے مدینہ منورہ کے پاس اُس کا نام ہے *.

|| یہ سب بزرگ صحابی تھے *.

اُم ایمن اسامہ کی ما کا آدمی بھونچا، اور کہا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو نزع کی حالت ہی، اسبات کے سنتے ہی اسامہ اور سب صحابہ گرتے پڑتے پھرے، اور بریدۃ بن الحصیب نے نشان کے تئیں آنحضرت کے حجرۃ کے دروازہ پر کھڑا کر دیا، جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین سے فراغت ہوئے اور خلافت حضرت ابوبکر کے واسطے مقرر ہوئی، تب حضرت ابوبکر نے فرمایا، کہ اُس نشان کو اسامہ کے دروازہ پر کھڑا کرو، اور بریدۃ کے تئیں حکم دیا کہ آپ اسامہ کے دروازہ پر جا کر لشکر جمع کرے، اور جارے، اور اسامہ بھی کوچ کرے، اسامہ نے کوچ کر کے جرف میں مقام کیا، اس عرصہ میں مدینہ سے خبر آئی کہ بعضی قومیں عرب کی مرتد ہو گئیں، اور چاہتی ہیں کہ مدینہ پر چڑھ آئیں، اکثر صحابہ نے حضرت ابوبکر سے عرض کیا کہ اسوقت میں اتنے بڑے لشکر کو اس دور دراز مہم پر بھیجنا مصلحت وقت نہیں، اسواسطے کہ مبادا عرب مدینہ کو خالی جان کر فساد کریں، اور ایک فاحق کا دنکہ ہو اور مدینہ کے رہنے والوں کو کچھ آسیب پہونچے، حضرت ابوبکر نے ہرگز قبول نہ کیا اور فرمایا، کہ اگر اسامہ کے لشکر بھیجنے کے سبب سے میں یہ بات جانو کہ مدینہ میں درندوں کا کھا جا ہوجاؤں گا تو بھی حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے برخلاف جایز نہ رکھوں گا، مگر اسامہ سے یہ درخواست کی کہ حضرت عمر کے تئیں پروانگی دو کہ میرے پاس رہے تاکہ مدینہ کی حفاظت اور مشورۃ میں شریک اور صلاح کار ہو، حضرت عمر اسامہ کے اجازت کے بموجب پھرے، اور ربیع الثانی کی پہلی کو اسامہ نے کوچ کیا اور ابنی کی طرف گیا، یہ حال روضۃ الصفا اور روضۃ الاحباب اور حبیب السیر اور اور شیعہ اور سننی کی معتبر تاریخوں میں موجود ہے، اور اگر دوسری وجہ سے یعنی اسامہ کے ساتھ نجانے سے ہی تو اس کے کئی جواب ہیں *

پہلا جواب

یہہ ہی کہ اگر ایک سردار ایک شخص کے تئیں ایک لشکر میں متعین کرے، اور پھر اُس شخص کے تئیں اپنے پاس کی ایک اور خدمت پر مامور کرے، تو صاف یہہ بات ظاہر ہوتی ہی کہ اس شخص کو تعیناتیوں میں سے موقوف کیا، اور وہ پہلا حکم اُس کا منسوخ ہوا، اور اس جگہ یہی بات ہوئی ہی، اس واسطے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع مرض میں اس لشکر کو جدا کر کے اسامہ کے ساتھ متعین کیا، اور جب مرض زیادہ ہوا اور اسامہ اور اُسکے ساتھیوں نے کوچ میں توقف کیا، حضرت ابوبکر کے تئیں

† ابنی — عام کی سرحد میں ایک گائوں ہی اُسکا نام ہی اور زید بن حارث وہیں شہید ہوئے تھے *

پیغمبر خدا نے امامتِ نماز میں اپنا قایم کیا ، اور یہ خدمت دی ، اور اس بڑے کام میں مشغول فرمایا ، بعد اس کے جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات پائی ، حضرت ابوبکر کی تعیناتی خوں موقوف ہو گئی تھی ، جانا اور نجا اُنکا دونوں برابر تھے ، اور شرع میں یہ بات ثابت ہی کہ پہلے پہل جہاد اپنی طرف سے شروع کرنا فرض بالکفایہ ہی ، یعنی اگر تھوڑے آدمی بھی اُس میں مشغول ہوں تو کفایت کرتا ہی ، اور اسامہ کے لشکر کا سامان تیار کرنا بھی اسی قبیل سے تھا اس صورت میں اسامہ کے لشکر کے ساتھ فوجانے میں حضرت ابوبکر کے تئیں کچھ نقص لازم نہیں آتا اور مدینہ پر سے کافروں اور مرتدوں کا فتنہ دفع کرنا فرض عین تھا ، اگر حضرت ابوبکر یہ نہ کرتے تو ترک فرض عین لازم آتا تھا ، اس واسطے حضرت ابوبکر نے فرض عین ادا کرنے کے لئے فرض بالکفایہ کو ترک کیا ، اور یہی حکم شرع کا ہی ، اور جب کہ تمام لشکر کو حضرت ابوبکر نے سامان درست کر دیا ، اور وہ لشکر اُن کی تاکید اور تقید کے سبب سے روانہ ہوا اس فرض بالکفایہ کا بھی ثواب اُنکو ہوا —

چہ خوش ہوں کہ براید بیک کرشمہ دوکار

دوسرا جواب

یہ ہی کہ جہاد کے واسطے کسی شخص کو کسی امیر کے ساتھ منعین کرنا بندوبست ملکی کی قسم سے ہی ، اور یہ بات رئیس وقت کی مصلحت پر ہی ، کچھ احکام الہی سے نہیں ہی ، اور جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تدبیر مملکت کی جتنی باتیں تھیں حضرت ابوبکر سے متعلق ہوئیں ، اب یہ سب باتیں اُنکی صلاح سے علاقہ رکھتی ہیں ، کہ جس کے تئیں چاہیں اسامہ کے ساتھ کریں ، اور جس کو چاہیں نہ کریں ، اور خواہ آپ جاویں ، خواہ نہ جاویں ، اس کی مثال یہ ہی کہ مثلا ایک بادشاہ کسی طرف ایک لشکر متعین کرے ، اور سب سامان درست ہونے اور لشکر کے روانہ ہونے سے پہلے وہ بادشاہ مرجاے ، اور ایک اور بادشاہ اُسکی جگہ بیٹھے ، اس نئے بادشاہ کے تئیں اختیار ہی کہ اُن تعیناتیوں میں سے بعضوں کو اپنے پاس رکھے ، اس واسطے کہ مصلحت ملک اور دولت کی اسی میں جانتا ہی ، اور اتنی سی بات میں پہلے بادشاہ کی مخالفت اور اُسکی فرمان برداری کا ترک لازم نہیں آتا ، مخالفت وہ ہی کہ اُس امیر کی جگہ اور امیر کرے ، یا اُس مہم کو چھوڑ دے ، یا اُن دشمنوں سے ملجائے ، غرض کہ یہ ذرا ذرا سی باتیں مصلحت وقت کے اور تدبیر ملک اور دین کے رئیس وقت کی صلاح سے متعلق ہیں ، اور اُس کے تئیں ایسی باتوں میں اپنے عقل کے موافق تصرف جایز ہی ، اور ایسی باتوں

میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہرگز وحی اور تشریع کی قسم سے نہیں ہی اور یہہ جملہ ”لعن اللہ من تخلف عنها“ ہرگز سنیوں کی کتابوں میں نہیں ہی، اور بالفرض اگر صحیح بھی ہو تو اس کے معنی یہہ ہیں کہ اسامہ کے تئیں اکیلا چھوڑنا، اور رومیوں کی مہم پر نہ جانا، اور زید بن حارث کے بدلہ لینے سے آنکھ چراتی حرام ہی، اور جب کہ حضرت ابوبکر خدمت امامت پر معین ہوئے ان سب باتوں سے بیشک بڑی ہوئے،

قال ”الشہر ستانی فی الملل والنحل ان ہذا الجملة موضوعة و مفتراة“ یعنی شہر ستانی نے ملل اور نحل میں یہہ بات کہی ہی کہ تحقیق یہہ جملہ بنایا ہوا اور افترا ہی، اور بعضے فارسی پڑھے ہوئے جو اپنے تئیں سنیوں کا محدث گنتے ہیں، انہوں نے اپنی کتابوں میں اس جملہ کو لکھا ہی، تو یہہ بات سنیوں کے الزام کو کافی نہیں ہوتی، اس واسطے کہ سنیوں کے نزدیک حدیث کا اعتبار اُس وقت ہوتا ہی، جب محدثین کی معتبر کتابوں میں ہو، اور انہوں نے اُسے صحیح کہا ہو، اور اُن کے نزدیک بے سند حدیث شتر بے مہار ہی، کہ ہرگز اُس پر کان نہیں رکھتے *

تیسرا جواب

یہہ ہی کہ حضرت ابوبکر کا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد منصب بدل گیا، پہلے ایک مسلمانوں میں سے تھے اب خلیفہ ہوئے، اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ بیٹھے، اور جب کہ منصب بدل جائے تب شرع کے موافق اُس منصب کے احکام جاری ہوتے ہیں نہ پہلے منصب کے، جیسے کہ لوگ جس وقت بالغ ہو جاوے اور دیوانہ جس وقت اچھا ہو جاوے اور مقیم جس وقت مسافر ہو اور مسافر جس وقت مقیم ہو اور غلام جس وقت آزاد ہو اور رعیت جس وقت حاکم ہو اور عامی آدمی جب قاضی ہو اور فقیر جس وقت دولت مند ہو اور دولت مند جس وقت فقیر ہو اور لوگ جس وقت پیدا ہو اور زندہ جب مر جاوے اور قریب جب مر جاوے قریب تر اُس سے باب ولایت نکاح میں اور ارث میں، علی ہذا القیاس اس صورت میں جس وقت حضرت ابوبکر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہوئے اسامہ کے ساتھ کیوں جاتے، اس واسطے کہ اگر خود پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم جیتے ہوتے تو وہ بھی نجاتے، اور نہ جانے کا ارادہ تھا، البتہ لشکر کا سامان دینا آنحضرت کا کام تھا اور وہ حضرت ابوبکر کے ذمہ ہوا، اور اُس کو سرانجام کر دیا *

چوتھا جواب

یہ ہی کہ اگر فرض کیجئے کہ حضرت ابوبکر کو بھی اسامہ کے ساتھ رومیوں کی لڑائی میں جانے کا حکم تھا ، اور اُنکا نماز میں خلیفہ ہونا استثناء کا سبب نہ ہو ، اور خلافت کے کاموں میں مصروف ہونا اور مدینہ کی اور ناموس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا عذر بھی نا مقبول ہو ، تو آخر کار یہ ہی کہ اُس کی عصمت [†] میں خلل ہوگا ، اور امامت میں عصمت شرط نہیں ہی ، بلکہ عدالت ضرور ہی ، اور دو ایک صغیرہ گناہ کرنے سے عدالت نہیں جاتی رہتی ، اور بالاتفاق حضرت ابوبکر فاسق نہ تھے اور شیعہ اور سنیوں کے نزدیک گناہ کبیرہ اُن سے ثابت نہیں *

پانچواں جواب

یہ ہی کہ یہ دو ایک طعن جو شیعہ سنیوں کی کتابوں سے حضرت ابوبکر کے حق میں ثابت کرتے ہیں ، اول تو ثابت نہیں ہوتے ، اور بالفرض اگر ثابت بھی ہوئے تو سنیوں کی سب روایتیں جو حضرت ابوبکر کے فضائل اور مناقب اور جنت میں بڑا درجہ ملنے کے باب میں کہ آیتوں اور حدیثوں اور اماموں اور اہلبیت کے قولوں سے ہیں ، اور بعضے اُن میں سے شیعوں کی کتابوں میں بھی موجود ہیں اور صحیح ہیں ، ترازو کے ایک پلہ میں رکھو اور ان دو تین طعنوں کو دوسرے پلہ میں ، اور تولو بعد اُس کے جواب چاہو *

چھٹا جواب

یہ ہی کہ شیعوں کے نزدیک پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم وجوب کے واسطے متعین نہیں ہی ، چنانچہ دُرر غرر میں شریف [‡] مرتضیٰ نے کہا ہی ، پس اگر خاص کر حضرت ابوبکر کی نسبت اسامہ کے ساتھ جانے میں حکم صریحاً ثابت بھی ہو ، اور ابوبکر نہ جاوے تو بھی کچھ خلل نہیں ہوتا ، اس واسطے کہ شاید یہ حکم حضرت کا اولویت کے واسطے ہو ، اور ایسے حکم کا چھوڑنا گناہ نہیں ، اب باقی رہا جملہ ”لعن اللہ من تخلف عنہا“ پس یہ جملہ سنیوں کی کتابوں میں نہیں کہ جواب کا محتاج ہو ، اور اگر بالفرض موجود بھی ہو تو لفظ من شیعوں کے نزدیک عام ہی ، چنانچہ اس کا حال اصول

[†] عصمت سنیوں کے نزدیک یہ ہی کہ کسی شخص کے ہاتھ پر گناہ نہ پیدا ہو اور شوق عبادت

کا اور گناہ سے بچنے کا دل میں ہو *

[‡] شریف مرتضیٰ شیعہ کے ہاں کا بڑا عالم ہی اور رضی اُس کا بھائی ہی *

کی کتابوں میں موجود ہے، اس صورت میں جناب علی مرتضیٰ اور اور مسلمان بھی اس گناہ میں شریک ہوتے ہیں، اور جو جواب اُن کی طرف سے ہوگا وہی جواب حضرت ابراہیم کی طرف سے ہی، اور اگر یہ بات کہیں کہ یہ گناہ اسامہ کے متعینوں کے واسطے ہی نہ سب کے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ ”چھوڑا جیش اسامہ“ یعنی سامان کرو تم لشکر اسامہ کو یہ خطاب متعینوں کی طرف نہیں ہو سکتا، اس واسطے کہ اسامہ کے لشکر کا سامان کرنے کو اسامہ ہی کے لشکر کو کہنا ہے معنی ہی، اس صورت میں خطاب عام ہی سب مسلمانوں کی طرف، اور جملہ ”لعن اللہ“ بھی اسی کلم کے ساتھ ہی متعینوں کے ساتھ تخصیص نہیں *

ساتواں جواب

یہ ہے کہ شیعوں کے نزدیک خدا کے بلا واسطہ حکم سے مخالفت کرنا حضرت آدم † اور حضرت یونس ‡ پر ثابت ہے، چنانچہ نبوت کے باب میں گذرا، پس رسول کے ایک

† سنہوں کے نزدیک حضرت آدم صلی اللہ علیہ وسلم اور بغض اور اللہ کی نافرمانی سے پاک تھے شیعوں اس کے برخلاف جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ توبہ توبہ جیسے کہ شیطان میں حسد اور بغض ہی ایسا ہی حضرت آدم علی نبینا علیہم الصلوٰۃ والسلام میں تھا اور کہتے ہیں کہ جس طرح شیطان کو حضرت آدم کے سجدہ کرنے میں حسد اور بغض ہوا اور سجدہ نہ کیا اور ملامتوں ہوا اسی طرح حضرت آدم نے ایمہ امہار سے حسد اور بغض کیا کہ اس سبب سے اللہ تعالیٰ اُن پر عفا ہوا اور ہمیشہ خفگی میں رہینگے ایسے لوگوں سے جو اپنے باپ دادا کو گالیاں دیریں خدا بچا رہے چنانچہ محمد بن یابریم دیون الاخبار میں حضرت علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام سے اور معانی الاخبار میں مفصل بن عمر سے روایت کرتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو فرشتوں سے سجدہ کرایا تب حضرت آدم نے کہا کہ میں ساری خلقت سے اچھا ہوں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سر اُٹھا کر عرض کر دیکھ حضرت آدم نے سر اُٹھا کر دیکھا کہ عرض پر لکھا ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولہ اللہ امیر المؤمنین وزوجۃ فاطمۃ سید النساء العالمین والحسن والحسین سید اباب اہل الجنۃ حضرت آدم نے عرض کیا کہ یا اللہ یہ دن ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تیری اولاد میں سے ہیں اور تجھ سے اچھے ہیں اگر یہ نہرتے تو میں کچھ نہ پیدا کرتا یہ بات سنکر حضرت آدم نے حسد کی آنکھوں سے گھبرا اُسی کی سزا میں اللہ تعالیٰ نے شیطان سے بھکرایا اور پھٹک سے نکالا اور غضب میں ڈالا *

‡ امامیہ حضرت یونس کی نسبت یہ کہہ لگاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر حکم انہی قوم کو چھوڑ کر بھاگ گئے اور اپنی قوم کو بلا حکم کوسا اور اُن کی تکلفوں پر صبر نہ کیا اور اُنکو نہ چھوڑ دیا چنانچہ کلینی نے ابی ابی ہریرہ سے یہ روایت کی ہے *

حکم سے امام نے بھی خلاف کیا تو کیا مضائقہ ہی، اس واسطے کہ امام بنی کا نایب ہی اور نایب کتنا ہی اچھا ہو منیب سے کم ہوگا *

چوتھا طعنہ

یہہ ہی کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو کبھی کسی دین اور شرع کے کاموں میں سردار نہیں کیا، اور جو شخص کہ ایک کام کی سرداری کے لائق نہ ہو سب مسلمانوں پر کیونکر سردار ہو سکتا ہی *

جواب

اس طعنہ کا جواب کئی وجہ سے ہی، پہلے یہہ کہ یہہ بات بالکل جھوٹ ہی، اس واسطے کہ شیعہ اور سنی کی تاریخوں سے ثابت ہی کہ جب جنگ احد کے بعد خبر پہونچی کہ ابو سفیان نے مدینہ پر چھڑنے کا ارادہ کیا ہی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو اُس سے لڑنے کے واسطے بھیجا اور وہ لڑے، اور چوتھے برس میں بنی نصیر کی لڑائی میں رات کو حضرت ابوبکر کے تئیں لشکر میں اپنی جگہ سردار کر کے آپ اپنے گھر تشریف لائے، اور چہتے برس میں جب بنولعیان کی لڑائی کے واسطے چلے اور وہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کی خبر پا کر پہاڑوں میں چھپ رہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو ایک دن مقام فرما کر ہر طرف لشکر بھیجے اُن لشکروں میں سے سب سے بڑے لشکر میں حضرت ابوبکر صدیق کو سردار کر کے کراع العیم † کی طرف بھیجا تھا، اور تبوک کی لڑائی میں پیغمبر خدا نے حکم دیا تھا کہ سب لشکر مدینہ کے پاس ثنیۃ الوداع ‡ میں جمع ہو اور لشکر گاہ کے سردار حضرت صدیق ہوں، اور سارے لشکر کی موجودات اُن سے متعلق ہو، اور خیبر کی لڑائی میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو آدھا سیسی کا درد ہوا اور قلعہ پر حملہ کے وقت اُن حضرت صلعم نے حضرت ابوبکر کو اپنا نایب کر کے قلعہ کی فتح کو بھیجا، اور اُس دن حضرت ابوبکر سے بڑی لڑائی ہوئی، اور ساتویں برس میں بنی کلاب سے لڑنے کو بھیجا کہ سلمۃ بن الاکوع کا رسالہ یہی حضرت ابوبکر کے ساتھ تھا کہ بنو کلاب سے لڑائی ہوئی اور بہتوں کو مارا اور بہتوں کو پکڑ لائے اور بنو نزارہ § کی لڑائی میں بھی لشکر کے سردار حضرت ابوبکر تھے، چنانچہ حاکم سلمۃ بن الاکوع سے روایت کرتا ہی کہ، ”امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابابکر فغزونا فاسا من بنی نزارہ

† ایک جگہ ہی تین منزل سفان سے *

‡ ثنیۃ الوداع نام ہی ایک جگہ کا مدینہ شریف کے قریب نہ مکہ کی راہ میں ہی *

§ نزارہ قبیلہ ہی عطفان میں سے *

فلما دنونا من الماء و امرنا ابوبکر فعرسنا فلما صلینا الصبح امرنا ابوبکر فسننا الغارة الى آخر الحديث — یعنی حکم کیا حضرت نے ابوبکر کو پھر جہاں کیا ہذا۔ بنی فزارہ کے آدمیوں سے جب پانی کے نزدیک پہنچے حکم کیا ابوبکر نے تا آرام لیں ہم پیر جب نماز پڑھی صبح کی حکم کیا ابوبکر نے اور لوٹا ہم نے اور شبختوں مارا ، اور معارج النبوت اور حبیب السیر میں لکھا ہے کہ تبوک کی لڑائی کے بعد ایک اعرابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر عرض کیا کہ عربوں میں سے ایک قوم دانی الرمل † میں جمع ہوئی ہے اور شبختوں مارنے کا ارادہ رکھتی ہے ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا نشان حضرت ابوبکر کو دیکر اور لشکر کا سردار کر کے اُن لوگوں پر بھیجا ، اور جب کہ بنی عمرو بن عوف میں خانہ جنگی ہوئی اور ظہر کی نماز کے بعد آنحضرت کو خبر پہونچی اور آپ صلح کے واسطے اُس محلہ میں تشریف لیگئے ہال کو فرمایا کہ اگر نماز کا وقت ہو جاوے اور میں نہ آؤں تو ابوبکر کو کہنا کہ وہ نماز پڑھاویں ، چنانچہ عصر کے وقت حضرت ابوبکر نے نماز پڑھائی ، اور نویں ہوس جب حج فرض ہوا اور بعضے سببوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جانا نہوا ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق کے تئیں امیر حج کر کے بہت سے صحابہ کے ساتھ مکہ کو بھیجا کہ وہاں جا کر لوگوں کو حج کراوے ، اور مرض مروت میں جمعرات کی رات سے پیر کی صبح تک نماز میں خلیفہ کرنا خود مشہور ہے کچھ بیان کی حاجت نہیں ، اب غر کرنا چھوٹے کہ سردار سے دین کی یہی تینوں باتیں متعلق ہوتی ہیں ، پہلے جہاں ، دوسرے حج ، تیسرے نماز ، اور ان تینوں چیزوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سامنے حضرت ابوبکر کو اپنا خلیفہ کیا ، اب دین کی کون سی بات باقی رہ گئی کہ جس میں حضرت ابوبکر خلیفہ اور امام ہونے کی لیاقت نہیں رکھتے تھے •

دوسرا جواب

یہ ہے کہ ہمارے یہ بات مافی ، کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو کہی کسی کام میں سردار کر کے نہیں بھیجا ، لیکن اُسکا سبب یہ ہے کہ اُن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر کو اپنا وزیر جانتے تھے ، اور بغیر حضرت ابوبکر کے کوئی کام سرانجام نہوتا تھا ، اور ہمیشہ سے بادشاہوں کی رسم اور عادت یہ ہے کہ وزراء اور بڑے بڑے امیروں کو پوگنوں اور قصبوں میں عامل کر کے نہیں بھیجتے ، اور لشکروں کا سردار نہیں کرتے ، اس واسطے کہ اُنکے نہونے سے حضوری کے بڑے بڑے عمدہ کام ابتر ہو جاتے

تئیں ؟ اور اس بات کے تئیں خون پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہی حاکم حدیثہ بن الیمان سے روایت کرتا ہی ، کہ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے ، کہ میرا ارادہ ہی کہ دین سکھانے کے واسطے لوگوں کو دور دور ملکوں میں بھیجوں ، جیسے کہ حضرت عیسیٰ نے اپنے حواریوں کو بھیجا تھا ، جو اوگ کہ حاضر تھے انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کے ہاں اس طرح کے لوگ جیسے ابوبکر اور عمر موجود ہیں ، جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ، ” اِنَّهٗ لَا عُنْثٰی لِيْ عِنْمَا اِنْهَمَا مِنَ الدِّينِ كَالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ “ یعنی ” میوا گذارا نہیں ہوتا ہے ان کے کہ یہ دونوں دین کے کان اور آنکھ کی مانند ہیں “ اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہی کہ میرے تئیں اللہ تعالیٰ نے چار وزیر دیئے ہیں ، ابوبکر اور عمر دو وزیر زمین میں ، اور جبرئیل اور میکائیل دو وزیر آسمان میں *

تیسرا جواب

یہ ہی کہ اگر کسی کلم پر نہ بھیجنا امامت کی لیاقت جاتے رہنے کا باعث ہو ، تو لازم آتا ہی کہ جناب حسین علیہما السلام بھی امامت کے لائق نہیں ، اس واسطے کہ حضرت امیر المومنین نے ان دونوں صاحبوں کے تئیں کسی لڑائی پر اور کسی کلم میں نہیں بھیجا ، اور محمد بن حنفیہ کہ کہ ان کے بے مات بھائی تھے بہت سے کاموں پر بھیجا ، یہاں تک کہ اوگوں نے محمد بن حنفیہ † سے پوچھا کہ تمہارے باپ لڑائیوں میں اور جہاں کہ اندیشہ کی جگہ ہوتی ہی تمہارے تئیں بھیجتے ہیں ، اور جناب امام حسین علیہما السلام کے تئیں اپنے سے جدا نہیں کرتے اس کا کیا سبب ہی ، اُس امام زائدہ مصطفیٰ نے فرمایا کہ میرے باپ کی اولاد میں جناب امام حسن اور جناب امام حسین علیہما السلام دو آنکھوں کی مانند ہیں ، اور باقی اولاد بمنزلہ ہاتھ پانوں کے ، اور جب تک ہاتھ اور پانوں سے کام ہو آنکھوں کو کیوں تکلیف دی جاوے ، بلکہ آدمی کی خاصیت یہ ہی کہ جس وقت آنکھ پر کچھ آفت پہنچتی ہی تو ہاتھ سے بچاتا ہی *

پانچواں طلعہ

یہ ہی کہ حضرت ابوبکر صدیق نے عمر بن خطاب کے تئیں مسلمانوں کے سب کلم کا متولی کر کے سب امت کا خلیفہ کیا ، حالانکہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ایک برس صدقہ لینے کی خدمت پر مقرر ہوئے موقوف ہو چکے تھے ، اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جسکو موقوف کیا ہو اُسکو مقرر کرنا صریح پیغمبر کی برعکس ہی *

† محمد بن حنفیہ حضرت علی مرتضیٰ کے بیٹے ہیں حنفیہ ان کی ما تھی *

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمر کے تئیں موقوف سمجھنا بڑی بے وقوفی ہے، اس واسطے کہ اگر کوئی شخص ایک خدمت پر کسی کام کے انجام کرنے کو مقرر ہو، اور وہ کام ہو چکے اور اُس کی خدمت بھی تمام ہو جاوے اُس شخص کے تئیں معزول نہیں کہہ سکتے، اور حضرت عمر کی بھی خدمت اسی طرح کی تھی، جب صدقہ لینے کا کام تمام ہو چکا اُن کی خدمت بھی تمام ہو چکی، اور اگر اس کے تئیں موقوفی کہیں تو لازم آتا ہے کہ ہر نبی اور امام مرنے کے بعد موقوف ہو جاوے *

دوسرا جواب

ہم نے یہ بات مانی کہ حضرت عمر کے تئیں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے موقوف کیا، لیکن اُس کی موقوفی حضرت ہارون کی طرح تھی، کہ جب حضرت موسیٰ طور سے پہرے ہیں حضرت ہارون اُن کی خلافت سے موقوف ہو گئے، لیکن اس سبب سے کہ وہ بالاستقلال نبی تھے اُس موقوفی سے اُن کی لیاقت امامت میں کچھ نقصان نہوا، اسی طرح حضرت عمر کے تئیں کہ اُن کے حق میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ”لو کان بعدی نبی لکان عمر“ یعنی اگر ہوتا میرے بعد کوئی نبی تو ہوتا عمر، اس موقوفی نے بھی اُن کی امامت کی لیاقت میں کچھ نقصان نہ کیا *

تیسرا جواب

مخالفت پیغمبر کی وہ ہے، کہ جس چیز کو اُس نے منع کیا ہے اُس کو کریں، نہ یہ کہ جس کو موقوف کیا ہے اُس کے بحال کرنے میں بھی مخالفت ہو جاوے، ہاں اگر جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عمر کے مقرر کرنے سے منع کرتے اور حضرت ابوبکر اُس کو بحال کرتے، تو البتہ مخالفت ہوتی، جب کہ یہ بات نہیں ہوئی تو مخالفت کہاں سے ہوئی، اور اگر یہ بات کہو کہ جو کام کہ آنحضرت نے نہیں کیا اُس کا کرنا بھی مخالفت ہے، تو یہ بات لازم آتی ہے کہ جناب علی مرتضیٰ نے بھی حضرت عائشہ سے لڑنے میں بھی مخالفت رسول کی کی ہو *

چھٹا طعنہ

یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے تئیں عمرو بن العاص کا تابع اور فرماں بردار اور اُس کے تئیں ان پر سردار کیا، اور اسی طرح اسامہ کے تئیں ان پر

سردار کیا ، اگر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر سرداری کی ایمانت رکھتے تھے ، اور اس بات میں بہتر تھے ، تو کس واسطے اُن کو سردار نہ کیا ، اور اور لوگوں کو اُن کا تابع *

جواب

اس طعنہ کے کئی جواب ہیں ، پہلا جواب یہ ہے کہ اگر اُن کا سردار کرنا فالاق ہونے اور اچھے نہ ہونے پر دلالت کرتا ہی ، تو لازم ہی کہ سردار کرنا لیاقت اور اچھے ہونے پر دلالت کرے ، پس اگر شیعہ اس بات کے قایل ہوویں ، کہ عمرو بن العاص اور اسامہ بن زید اچھے اور امامت کے لائق تھے ، اُس وقت سنی اس کا جواب دینگے اور نہیں تو نہیں *

دوسرا جواب

یہ ہے کہ ، اگر ایک خاص کام میں ایک کم رتبہ آدمی کو اچھے آدمیوں پر سردار کریں ، تو یہ بات امامت کے لائق اور بہت اچھے ہونے پر دلالت نہیں کرتی ، اس واسطے کہ کبھی ایک خاص کام میں سردار کرنا ایک ایسی بات کے واسطے ہوتا ہی ، کہ وہ بات ایسے ہی آدمی سے ہو سکتی ہی ، اور اچھے آدمی سے نہیں ہو سکتی ہی ، جیسے کہ عمرو بن العاص کے سردار کرنے میں ہوا ، کہ وہ ایک دُذو فزون اور حیلہ باز تھا اور یہی بات منظور تھی کہ دشمنوں کو مکر اور حیلہ سے خراب اور تباہ کرے ، یا اُن کے فریب سے آگاہ ہو ، اور اوروں کے تئیں اس کام میں اُس کے برابر آگاہی نہ تھی ، اور اسی واسطے چوروں کو پکڑنے اور راہوں کے صاف کرنے اور راتوں کو گشت دینے کی خدمت ایسے ہی لوگوں کو دیتے ہیں ، اور بڑے بڑے امیروں سے یہ خدمتیں سرانجام نہیں ہو سکتیں ، اور یا ایک خاص کام میں سردار کرنے سے یہ مقصد ہوتا ہی ، کہ کسی مصیبت زدہ اور ماتم کشیدہ کی تسلی اور تشفی ہو ، جیسے کہ اسامہ کے واسطے ہوا کہ اُس کا باپ روم و شام کی فوج سے شہید ہوا تھا ، اگر اُس لشکر کا سردار جو رومیوں سے لڑنے کو جاتا تھا اسامہ کو نہ کرتے ، اور اُسکے باپ کا بدلہ لینے کو اُس کے تئیں مقرر نہ کرتے ، تو اُس کی تسلی اور تشفی اور اُس کو نام اور مرتبہ حاصل نہ ہوتا *

تیسرا جواب

یہ ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے تئیں یہ منظور تھا ، کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اُن باتوں سے بھی واقف ہو جاویں ، جو تابعوں کو اپنے سرداروں کے ساتھ کرنی ہوتی ہیں ، اور سردار کس طرح سے اپنے تابعین کی حال پرسی کرتے ہیں ، اور یہ بات

جب تک کہ دو ایک دفعہ کسی کے تابع نہیں بالیقین معلوم نہیں ہو سکتی، یہ بات بھی آنحضرت کی سرداری اور خلافت سکھانے کے واسطے تھی، اس کی مثال یہ ہے کہ بادشاہ جب تک کہ سپاہ گری سے امیری اور امیری سے وزارت اور وزارت سے سلطنت پر نہ پہنچے بادشاہت کا کلم اچھی طرح سے سرانجام نہیں دیتا، جیسے کہ تیمور اور ناصر شاہ، پس یہ بات صاف اس بات پر دلالت کرتی ہے، کہ اس طرح کی تعلیم سے ان حضرات کو ان کے حق میں بڑی ریاست دینی منظور تھی، اور اسی تربیت سے جو آنحضرت نے ان دونوں صاحبوں کے حق میں کی تھی، یہ دونوں صاحب اپنی خلافت میں لشکریوں اور امیروں کو اس طرح رکھتے تھے کہ اُس سے بہتر انتظام متصور نہیں، کہ اُن کے امیروں کو نہ پہنچانے اور نہ مقابلہ کرنے کا خیال تھا، نہ اُن کے لشکریوں کو لڑنے بھڑنے کتنے مرنے میں سستی، اور نہ لوتنہ اور مارنے میں بیباکی تھی، اور امیروں کو لشکر پر اور لشکر کو امیروں پر کچھ ظام اور زور نہ تھا، اور رعیت چین چان امن امان سے رہتی تھی، اور دن بدن ملک و مال ہاتھ لگتا تھا، اور یہ بات تاریخوں سے چاند کی طرح چمکتی ہے، کہ اُس پر خاک پڑ نہیں سکتی، اور کچھ شیعہ بن اس میں پیش نہیں جاتا، اور شیعوں نے امور مرہومہ میں دھوم دھام کی ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو خوب ہوتا اور ویسا ہوتا تو خوب ہوتا *

ساتواں طلعتہ

یہ ہے، کہ حضرت ابوبکر نے اپنا خلیفہ کرنے میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی، اس واسطے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سب امت کا نیک و بد خوب جانتے تھے، انہوں نے تو اپنا خلیفہ کسی کو نہیں کیا تھا، پھر حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو کیوں خلیفہ کیا *

جواب

اس طلعتہ کے بھی کئی جواب ہیں، پہلا جواب یہ ہے کہ یہ بات کہنی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو اپنا خلیفہ نہیں کیا تھا بالکل جھوٹ ہے، اس واسطے کہ اگر شیعوں کے مذہب پر بحث کی جاوے، تو شیعہ اس بات کے خود قایل ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کو اپنا خلیفہ کیا تھا، اس صورت میں اگر حضرت ابوبکر بھی جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر چلے تو کیا برا کیا، اور اگر سنیوں کے مذہب پر گفتگو کی جاوے تو سنیوں کے نزدیک بھی ثابت ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز اور حج میں حضرت ابوبکر کو خلیفہ کیا تھا، اور

صحابہ کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاجدان اور عقلمند تھے اُن کے تئیں اتنا اشارہ کافی تھا، مثل مشہور ہی کہ، ”عاقلاً را یک اشارہ بس است“ اور حضرت ابوبکر نے یہ بات سچی کہ عرب اور عجم کے بہت سے لوگ ابھی مسلمان ہوئے ہیں، اگر اُن کے تئیں صاف صاف نہ کہہ دیا جاویگا، تو یہ لوگ اس باریکی کو نہیں سمجھیں گے، اس واسطے لکھ پڑھ دیا *

دوسرا جواب

یہ ہی کہ اگر فرض کیجیئے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خلیفہ نہیں کیا تھا، تو اس کا یہ سبب تھا کہ اُن کے تئیں اللہ کی طرف سے وحی اور الہام سے یقین تھا، کہ میرے بعد ابوبکر ہی خلیفہ ہوگا، اور سب صحابہ اُن سے رجوع کرینگے، اور سوائے اُنکے اور کسی کو دخل نہ دینگے، چنانچہ یہ حدیثیں جو سنیں کی کتابوں میں موجود ہیں اس بات پر صاف دلالت کرتی ہیں، ”فابی علی الا تقدیم ابی بکر“ یعنی پھر نہ چاہا مگر مقدم ہونا ابوبکر ہی کا، اور حدیث، ”یابی اللہ والمؤمنون الا ابوبکر“، یعنی نہ چاہیگا خدا اور سب مومن مگر ابوبکر ہی کو، اور حدیث، ”انہ خلیفۃ من بعدی“، یعنی البتہ وہ خلیفہ ہی میرے بعد، اور جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا یقین تھا تو لکھنے کی کچھ حاجت نہ تھی، بلکہ صحیح مسلم میں یہ بات لکھی ہی، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں حضرت ابوبکر اور اُن کے بیٹے کو بلایا کہ خلافت کا عہدنامہ لکھوادیں، اور پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور سب مسلمان آپ سے آپ ابوبکر کے سوائے کسی کو خلیفہ نہیں کریں گے، کچھ لکھنے کی حاجت نہیں، اور حضرت ابوبکر کو کچھ وحی نہ آتی تھی کہ اُنکو یقین کامل ہوتا، اور نہ اُن کو عقلاً یہ بات معلوم ہوتی تھی کہ میرے بعد بلاشک حضرت عمر ہی کو خلیفہ کر دینگے، اور حضرت ابوبکر اپنے نزدیک حضرت عمر کو خلافت کے لائق جانتے تھے، اس واسطے اُنکو ضرور پتا تھا، کہ اُمت کے واسطے جو بہتر ہو وہ کرے، اور شکر خدا کا کہ حضرت ابوبکر کی عقل خراب پہنچی، کہ حضرت عمر کے وقت میں جیسا کہ انتظام اور شوکت دین کی ہوئی اور کانٹے مارے گئے ایسا کسی نبی کے خلیفہ سے نہیں ہوا *

تیسرا جواب

یہ ہی، کہ خلیفہ نہ کرنا اور چیز ہی، اور منع کرنا اور چیز ہی، اگر آنحضرت خلیفہ کرنے سے منع کر دیتے اور حضرت ابوبکر خلیفہ کرتے تب مخالفت ہوتی، نہ یہ کہ آنحضرت

نے خلیفہ نہیں کیا، اور حضرت ابوبکر نے خلیفہ کر دیا، تو بس مخالفت ہو گئی، اور اگر یہ بات نہیں ہی تو یہ بات لازم آتی ہی، کہ توبہ توبہ جو حضرت علی مرتضیٰ نے حضرت امام حسن علیہ السلام کو خلیفہ کیا، تو یہ بھی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت ہو گئی *

آٹھواں صلحہ

یہ ہی کہ حضرت ابوبکر کہتے تھے، "ان لی شیطاناً یعتزینی فان استقممت فاعینونی و ان زغت فقومونی" یعنی میرے لیئے بھی ایک شیطان ہی کہ سامنے آجاتا ہی پھر اگر میں حکم شرعی میں سیدھا رہا کروں تو میری مدد کیا کرو اور جو کجی کروں تو مجھے راست و درست کر دیا کرو، اور جس شخص کو کہ شیطان وسوسہ میں ڈالے اور بہکاوے وہ اسامت کے قابل نہیں ہی *

پہلا جواب

یہ ہی، کہ سنیوں کی معتبر کتابوں میں یہ روایت صحیح نہیں ہی کہ اس سے الزام ہو، بلکہ اس کے سواے ایک اور روایت صحیح اور ثابت ہوئی ہی، کہ حضرت ابوبکر نے مرتے وقت حضرت عمر کو بلایا اور وصیت کی اور یہ باتیں کہیں، "واللہ مانمت فکلمت و ماشہبت فتوہمت و انی لعلی السبیل ما زغت و لم ال جہدا و انی اوصیک بتقوی اللہ الی اخر الکلام"، یعنی قسم خدا کی میں کبھی غافل نہیں ہوا کہ خیال پریشان دیکھتا اور نہ شبہ میں پڑا ہوں کہ بہکتا، میں سیدھی راہ پر ہوں ذرا بھی نہیں بہکتا اور کچھ قصور نہیں کیا کوشش میں اور تجھے بھی یہی وصیت کرتا ہوں کہ خدا سے دترتا رہو، ہاں البتہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب حضرت ابوبکر خلیفہ ہوئے تو جو خطبہ کہ آپ نے سب سے پہلے پڑھا وہ یہ خطبہ تھا، کہ اے رسول خدا کے دوستوں میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہوں، لیکن دو چیزیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے واسطے ہیں مجھے سے مت چاہنا، ایک وحی، اور دوسری عصمت شیطان سے، اور یہ خطبہ مسند امام احمد اور اور سنیوں کی کتابوں میں موجود ہی، اور اُس خطبہ کے آخر میں یہ بھی ہی، کہ میں معصوم نہیں ہوں، تمہارے تئیں میری اطاعت انہیں باتوں میں فرض ہی جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور اللہ

† معصوم سنیوں کے نزدیک یہ ہی کہ کسی شخص نے ہاتھ پر گناہ نہ پیدا ہو اور شرع عبادت

کی شریعت کے موافق ہوں، اور اگر خدا نخواستہ میں تمہارے تئیں خلاف اُس کے کہوں تو ہرگز نہ مانوں، اور میرے تئیں اطلاع کرو، اور سب مسلمانوں کا یہی عقیدہ ہی، اور سبحان اللہ کہ حضرت نے کیا انصاف کی بات کہی ہی، پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں سب لوگوں کے تئیں عادت بڑی ہوئی تھی کہ جو مشکل ہوتی تھی وحی کی طرف رجوع کرتے تھے، اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم جو حکم دیتے تھے اُن کی عصمت کے سبب بے تامل مانتے تھے، خلیفوں کے تئیں لازم ہی کہ سب سے پہلے اُن دونوں † چیزوں سے آگاہ کریں کہ یہہ خاصہ پیغمبر ہی کا ہی اور کسی کا نہیں *

دوسرا جواب

یہہ ہی کہ کلینی جو شیعوں کے ہاں بہت معتبر کتاب ہی اُس میں حضرت امام جعفر صادق سے صحیح روایتیں موجود ہیں، کہ ہر مسلمان کے ساتھ ایک شیطان ہی کہ اُس کے بہکانے کا ارادہ رکھتا ہی، اور صحیح حدیث میں بھی ہی ”ما من منکم من احد الا وقد وكل به قرین من الجن“، یعنی نہیں کوئی تم میں سے مگر یہہ کہ اُس پر مقرر ہی ایک ہمراہی جنوں میں سے، یہاں تک کہ صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے واسطے بھی شیطان قرین ہی، فرمایا کہ ہاں ہی، لیکن اللہ تعالیٰ نے میرے تئیں اُس پر غلبہ دیا ہی کہ اُس کے فریب سے بچا رہتا ہوں، پس جس صورت میں کہ نبیوں کے پاس بہکانے کے واسطے شیطان کے آنے اور رہنے سے نبوت میں کچھ نقصان نہو تو حضرت ابوبکر کی امامت میں کیوں قصور ہونے لگا تھا، اس واسطے کہ امام کے تئیں متقی ہونا ضرور ہی، اور متقیوں کے بھی دل میں شیطان شبہ ڈالتا ہی، مگر وہ خبردار ہو جاتے ہیں اور اُس کے موافق کام نہیں کرتے قولہ تعالیٰ ”ان الذین اتقوا اذا مسهم طائف من الشیطان تذکروا فاذا هم مبصرون“، یعنی جو لوگ قور رکھتے ہیں جہاں پر کیا اُن پر شیطان کا گذر چونک گئے پھر تب ہی اُنکو سوچو، آگئی، البتہ اُس شخص کی امامت میں قصور ہوتا ہی کہ شیطان سے مغلوب ہو جاوے، اور اُس کے بہکائے پر کام کرے، اور جھٹ پمت توبہ نہ کرے، قولہ تعالیٰ ”واخوانهم یمدو فہم فی الغی ثم لایقصرون“، یعنی اور بھائی ہیں وہ اُنکو کھینچے جاتے ہیں غلطی میں پھر وہ کمی نہیں کرتے، اور یہہ مرتبہ نسق اور فحور کا ہی کہ سب کے نزدیک امامت میں خلل انداز ہی *

تیسرا جواب

یہہ ہی ، کہ اگر حضرت ابوبکر نے اس طرح کی بات کہی تو بھی اُن کی امامت میں کچھ نقص نہیں اس واسطے کہ جناب علی مرتضیٰ کہ سب کے نزدیک امام برحق ہیں اپنے دوستوں سے اسی طرح کی باتیں کہتے تھے چنانچہ نہج البلاغۃ میں کہ شیعوں کے ہاں بہت صحیح کتاب ہی لکھا ہے ”وہو قولہ“ لا تفتوا عن مقالة بحق او مشورة بعدل ذاتي لست بفوق ان اخطي ولا امن ذالك من فعلي الى اخر ما سبق نقله“ یعنی نہ چوکو تم سچ کہنے سے اور اچھے مشورے سے کہ میں بھی خطا کرسکتا ہوں، اور میوے کام میں بھی خطا کا خطر ہے، اور جس شخص نے کہ قرآن میں سے الف لام میم کا سپارہ پڑھا ہوگا وہ بھی جانتا ہے، کہ حضرت آدم کے تئیں شیطان نے وسوسہ ڈالا اور بہشت سے نکالا، اور کلام اللہ سے ثابت ہے کہ حضرت آدم خلیفہ تھے قولہ تعالیٰ ”انی جاعل فی الارض خلیفہ“ یعنی متجہو بنانا ہی زمین میں ایک نایب، اور جس شخص نے کہ قرآن میں سے سورہ ص پڑھی ہوگی وہ بھی جانتا ہے، کہ حضرت داؤد کے تئیں جوڑو کے مقدمہ میں شیطان نے کس قدر وسوسے ڈالے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی خفگی ہوئی، اور توبہ استغفار کی نوبت پہنچی، اور کلام اللہ سے ثابت ہے، کہ حضرت داؤد خلیفہ تھے قولہ تعالیٰ ”یا داؤد انا جعلناک خلیفۃ فی الارض“ یعنی اے داؤد تحقیق کیا ہم نے تیرے تئیں خلیفہ زمین میں، اور جس شیعہ نے حضرت سجادؑ کا صحیفہ کاملہ دیکھا ہوگا اور سمجھا ہوگا، تو جانتا ہوگا کہ حضرت سجاد نے اپنے حق میں کیا فرمایا ہے کہ ”قد ملک الشیطان عذابی فی سوء الظن وضعف الیقین و انی اشکو سوء مجاورتہ لی وطاعة نفسي له“ یعنی پھیلتا ہے شیطان باگ میری بدگمانی میں اور سستی اعتقاد میں، اور شکوہ کرتا ہوں اُس کی بدھمساہی سے، اور نفس کی تابعداری کرنے سے شیطان کے لیئے، اب اس عبارت کے تئیں اور حضرت ابوبکر کی عبارت کے تئیں تولنا چاہیئے، اور الفاظ ”یعترینی و ان زغت“ کو ایک پلہ میں رکھو اور الفاظ ”ملک عذابی وطاعة نفسي“ کو ایک پلہ میں رکھو، اور اس کو غور کرو کہ حضرت امام فرماتے ہیں کہ پھیلتا ہے شیطان باگ میری بدگمانی اور سستی اعتقاد میں، اور حضرت ابوبکر کہتے ہیں کہ اگر میں کبھی کروں تو مجھے راست و درست کردو، یعنی حضرت امام کا کلام یقین پر دلالت کرتا ہے، کہ بے شک یہہ بات ہوئی، اور کلام حضرت ابوبکر احتمال پر کہ اگر یوں ہو تو ایسا کرو، اور ان ”زغت“ سے ہرگز یہہ بات نہیں پڑتی جتنی کہ طرفین میں

سے کوئی بات واقع ہوئی ہو، اور یہہ بھی سمجھو کہ اگر کسی شخص کے تئیں شیطان بہکاوے، اور وہ نہ بھکے تو کچھ نقصان نہیں، بلکہ بہت بڑائی کی بات ہی، اور سورہ یوسف میں ہے ”وما ابرء نفسی ان النفس لامارة بالسوء الا ما رحم ربی“ کو یعنی اس آیت کو کہ میں پاک نہیں کہتا اپنے جی کو جی تو سکھاتا ہی بڑائی مگر جو رحم کیا میرے رب نے تلاوت کرو اور حضرت ابوبکر کو اس ذرا سی بات سے امامت کے مرتبہ سے نگراؤ *

نواں طعنہ

یہہ ہی کہ حضرت عمر کہتے تھے کہ ”الا ان بیعت ابی بکر کانت فلتتہ و فی اللہ المؤمنین شرھا فمن عاد الی مثلھا فاقتلو“ یعنی ہوشیار ہو اور سمجھو کہ بیعت ابوبکر کی جلسی میں ہو گئی، خدا مسلمانوں کو اُس کی آفت سے بچاوے، پھر اگر کوئی ایسا کام کرے تو اُسے مار ڈالو، اور بخاری میں اور الفاظ ہیں کہ اُن کے معنی یہی ہیں، اس سے صاف ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر سے بیعت کرنی یکایک بے سمجھے بوجھے ہو گئی، اور اُنکو بے تامل بغیر دلیل کے خلیفہ کر دیا، اس صورت میں اُنکا خلیفہ ہونا بیجا ہوا، اور اُنکی خلافت برحق نہ ہوئی *

جواب

اس طعنہ کا جواب یہہ ہی، کہ حضرت عمر نے یہہ بات ایک شخص کے جواب میں کہی تھی، کہ وہ شخص حضرت عمر کے زمانہ میں کہتا تھا، کہ اگر حضرت عمر مر جاویں گے تو میں فلاں شخص کے ساتھ بیعت کر کے اُسکو خلیفہ کروں گا، اس واسطے کہ حضرت ابوبکر کے ساتھ بھی دو ایک آدمیوں نے بے سمجھے بوجھے یکایک بیعت کی تھی، اور آخر کو وہی خلیفہ ہوئے، اور سب صحابہ اُن کے تابع ہو گئے، چنانچہ بخاری میں یہہ بات موجود ہے، پس حضرت عمر کے قول کے یہہ معنی ہیں کہ ایک دو آدمیوں کی بیعت کرنی بے تامل اور بے مشورہ رئیسوں اور مجتہدین کے صحیح نہیں، اور اگرچہ حضرت ابوبکر کے ساتھ بھی یکایک بیعت ہوئی تھی، لیکن معلوم ہوا کہ حق حقدار کو پہونچا، اور یہہ بیعت تھیک تھیک ہوئی، اس لیے کہ اُنکی خلافت کی دلیلیں، جیسا نماز میں امام کرنا اور اُنکا سب صحابہ سے بہتر ہونا بہت ظاہر تھا، ہر شخص کے تئیں حضرت ابوبکر پر قیاس نہ کرنا چاہیئے، بلکہ اگر اور کوئی اس طرح پر بیعت کرے اُسکو مار ڈالنا چاہیئے، اس واسطے کہ ایسی بات میں جو سوچنا سمجھنا اور اجماع ضرور ہے اُس نے نکیا، اور مسلمانوں میں

فتنہ اوتھایا ، اور اس قول کے آخر میں ”وایکم مثل ابی بکر“ بھی ہی کہ شیعوں نے اس کے تئیں چھپا رکھا ہی ، اور اس کے معنی یہہ ہیں کہ کون ہی تم میں ابوبکر کی مانند بزرگی میں کہ اُسے بیعت کرنے میں مشورہ کی حاجت نہیں ، اس سے ثابت ہوا کہ ”وقی اللہ شرہا“ کے معنی یہی ہیں کہ اگرچہ حضرت ابوبکر کی خلافت سقیفہ † بنی ساعدہ میں اس سبب سے کہ انصاری بوسر پر خاش تھے اور لمبی چوڑے مشورہ کی فرصت تھی بہت جلدی ہوئی ، اور جلدی بیعت کرنے میں صرف یہہ اندیشہ ہوتا ہی کہ مبادا بیعت بیچا ہو ، اور ایک نالایق امام ہو جائے لیکن اللہ کی عنایت سے نہ ہوا اور حق حقدار کو پہونچا ، اور ظاہر ہی کہ حضرت عمر کا یہہ مطلب تھا کہ حضرت ابوبکر کی بیعت صحیح نہ تھی اور خلافت درست نہوئی ، اس واسطے کہ حضرت عمر اور عبیدہ بن الجراح نے حضرت ابوبکر کے ساتھ سقیفہ میں سب سے پہلے بیعت کی ، اور اُن کے بعد اوروں نے ، اور جس وقت کہ ان دونوں صاحبوں نے بیعت کی تھی اُس وقت فرمایا تھا کہ ”انت خیرنا و افضلنا“ یعنی تحقیق تو اچھا ہی ہم میں اور بہتر ہی ہم میں ، اور اس کلمہ کو سب صحابہ مہاجرین اور انصار نے جو حاضر تھے سنا اور انکار نہ کیا ، بلکہ مانا ، اس صورت میں حضرت ابوبکر کا اچھا ہونا اور بہتر ہونا سب صحابہ کے نزدیک مسلم الثبوت تھا ، اور انصاری اسبات پر پر خاش کرتے تھے کہ ہم میں سے بھی ایک خلیفہ ہو ، اور یہہ نہیں کہتے تھے کہ حضرت ابوبکر خلافت کے لایق نہیں ہیں ، اور سنیوں کے ہاں صحیح روایتوں سے ثابت ہی کہ سعد † بن عبادہ اور امیر المومنین علیہ السلام اور حضرت زبیر نے بھی حضرت ابوبکر سے بیعت کی ، اور پہلے دن بیعت نہ کرنے کا عذر کر کے یہہ شکایت کی کہ تم نے اس باب میں ہم سے بھی کیوں نہ صلاح لے لی ، حضرت ابوبکر صدیق نے اُس کے جواب میں انصاریوں کی پر خاش اور اُنکی جلدی بیان کی ، اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام اور حضرت زبیر نے یہہ بات پسند کی ، چنانچہ سنیوں کی معتبر کتابوں میں بہت جگہ ثابت ہی ، اور اگر حضرت عمر کی اسبات کو حضرت ابوبکر کی نسبت دلیل پکڑتے ہو ، تو لازم ہی کہ حضرت عمر کے سب قولوں کو جو حضرت ابوبکر اور اُن کی خلافت کے حق

† قام مکان *

† سعد بن عبادہ انصار کے رئیس تھے اور وہ ارگ چاہتے تھے کہ اُنہیں اپنا خلیفہ کریں ایک امیر مہاجرین میں رہے اور ایک انصار میں جب کہ حضرت ابوبکر نے کہا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہی کہ خلیفہ قریش میں سے ہو انصار چپ ہو رہے اور سعد بن عبادہ نے اُسوقت حضرت ابوبکر سے بیعت نہ کی مگر آخر کو بیعت کر لی *

میں ہیں سمجھو اور اُس قول کے ساتھ، تولو، اور دیکھو، کہ یہہ کتنا ہی اور وہ کتنی، غرض کہ حضرت عمر کے تئیں حضرت ابوبکر کی خلافت کا معتقد نہ جاننا عجب تماشے کی بات ہی، کہ کہیں اور سننے میں نہیں آتی *

دسواں طعنہ

یہہ ہی، کہ حضرت ابوبکر کہتے تھے کہ ”لست بخیر کم و علی فیکم“، یعنی میں کچھ سے اچھا نہیں ہوں اور علی مرتضیٰ تم میں موجود ہیں، پس اگر یہہ بات سچ ہی تو بھی حضرت ابوبکر امامت کے لائق نہ تھے، اس واسطے کہ باوجود اس کے کہ اچھا شخص موجود ہو پھر کم رتبہ آدمی امام نہیں ہو سکتا، اور اگر جھوٹ ہی تو بھی حضرت ابوبکر امامت کے قابل نہ تھے، اس واسطے کہ جھوٹا فاسق ہی اور فاسق امامت کے قابل نہیں *

پہلا جواب

یہہ ہی، کہ یہہ روایت سنیوں کی کسی کتاب میں نہیں ہے، پہلے سنیوں کی کسی کتاب میں سے اس روایت کو ثابت کرو بعد اُس کے جواب چاہو، اور جھوٹا بتنگڑ بنا لینے سے کچھ سنیوں کو الزام نہیں ہوتا *

دوسرا جواب

یہہ ہی، کہ ہم نے شیعوں کے لکھنے سے اس روایت کو مانا، اس کا جواب یہہ ہی کہ حضرت امام سجاد فرماتے ہیں جیسا کہ صحیفہ کاملہ میں کہ شیعوں کے نزدیک بہت معتبر کتاب ہے موجود ہے کہ ”انا الذی افنت الذنوب عمرہ النخ“، یعنی میں وہ ہوں کہ کہو دیا ہی گناہوں نے میری عمر کو، اگر حضرت امام سجاد اس باب میں سچے تھے تو امامت کے قابل نہ تھے، اس واسطے کہ جو شخص گناہ کرے امامت کے قابل نہیں ہو سکتا، اور اگر جھوٹے تھے تو بھی امامت کے لائق نہ تھے، اس واسطے کہ جھوٹا فاسق ہی اور فاسق امامت کے قابل نہیں ہوتا، اس صورت میں شیعہ جو جواب کہ حضرت سجاد کی طرف سے دیں، وہی جواب حضرت ابوبکر کی طرف سے سمجھ کر تخفیف تصدیع کریں، اور شیعوں کے بعض عالموں نے اس روایت میں دو لفظ اور بڑھائے ہیں کہ، ”اقبلونی اقبلونی“، یعنی میں اس خلافت سے باز آیا مجھے معاف رکھو، اور کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر امامت چھوڑتے تھے، اور جو شخص کہ امامت چھوڑے وہ امامت کے لائق نہیں، اور عجب تماشے کی بات ہی کہ شیعہ خود اس بات کے معتقد ہیں، کہ حضرت موسیٰ پیغمبری چھوڑتے تھے

اور حضرت ہارون کو دیئے تھے، پس اگر یہہ بات ثابت بھی ہو تو حضرت ابوبکر کا امامت کو چھوڑنا ایسا ہی تھا جیسا کہ حضرت موسیٰ کا پیغمبری کو چھوڑنا، بلکہ اس سے بھی کم، اس واسطے کہ پیغمبری کا چھوڑنا باوجود اس بات کے کہ اللہ تعالیٰ نے بلا واسطہ اُن کو دی تھی بہت بڑا ہی، اور ایسی امامت کا چھوڑنا کہ بقول شیعوں کے چند لوگوں نے جمع ہو کر انصاریوں کی پرخاش کے دَر سے اور مدینہ کی نگہبانی کی مصلحت سے اُن کو امام کر دیا تھا، اور خدا کی طرف سے اُن کو امامت نہ تھی، چنّداں بڑا نہیں، اسواسطے کہ جب لوگوں نے ایک شخص کے تئیں سردار کر دیا تو کیا ضرور ہی کہ تمام عمر اُس کو قبول رکھے، اور دین دنیا میں محنت لے، اور پہلی دفعہ جو قبول کی تھی انصاریوں کی پرخاش دفع کرنے کے واسطے کی تھی، جب وہ بات جاتی رہی تو چاہا کہ اپنے چین سے زندگی بسر کریں، اور غور کرو کہ خود شیعوں کی روایت سے یہہ بات ثابت ہی کہ حضرت ابوبکر کو کچھہ امامت کی طمع نہ تھی اور خود چھوڑتے تھے اور صحابہ قبول نہ کرتے تھے، اور ادنیٰ سے اعلیٰ تک نے زبردستی سے حضرت ابوبکر کو خلیفہ کیا، اور اگر یہہ بات نہ تھی تو آپ ایسی بات کا عین کہتے، اگر ایک بادشاہ ہو کہ بالکل سلطنت کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو اور بدھا اور اندھا اور بہرا ہو گیا ہو، اور چند آدمیوں پر حکم کرنے کے سوا اور کچھہ دنیا کی لذت اُسے سلطنت سے نہو، اور اُس سے کہا جاوے کہ اس سلطنت کو اپنے چاہتے سے چاہیۃ بیتے کو دیدے تو یہی قبول نہ کریگا، بلکہ بادشاہ تو در کذاز ایک گانوں کا نمبر دار اور ایک محلہ کا محلہ دار بھی ایسا نہ کریگا خیال کرو کہ حضرت ابوبکر کو اللہ تعالیٰ نے کتنی بڑی ریاست دی تھی، کہ دنیا میں اچھے سے اچھا درجہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو نصیب کیا تھا، ایسی اچھی چیز کو چھوڑتا تھا اور لوگوں کو دیتا تھا کس قدر بے طمع اور زاہد ہوگا، اور شیعوں کی کذابوں میں صحیح روایتوں سے ثابت ہی، کہ حضرت عثمان کے شہید ہونے کے بعد جذاب علی مرتضیٰ خلافت قبول نہ کرتے تھے، جب کہ مہاجرین اور انصار نے بہت سی منتیں کیں تب قبول کیا، حضرت ابوبکر نے بھی اس نظر سے کہ سب لوگ اچھی طرح میری امامت کا اقرار اور اُسے قبول کریں کہا تو کیا مضائقہ ہوا *

گیارہواں ملعدہ

یہہ ہی، کہ آنحضرت صلعم نے حضرت ابوبکر کے تئیں سورۃ برات † دیکر مکہ بھیجا تھا، اتنے میں جبرئیل اُٹے اور کہا کہ ابوبکر سے برات چھین لے، اور حضرت علی کو دے، جالب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ کو حضرت ابوبکر کے پیچھے بھیجا،

† کلام اللہ کی سورہ کا نام ہی اور وہ سورہ دہریں مبارکہ میں ہے *

اور کہا کہ برائے چہن لے، اور آپ مکہ والوں کو جاکر سنا، پس جس صورت میں کہ حضرت ابوبکر اللہ تعالیٰ کے ایک حکم کے بھی پہونچانے کی لیاقت نہ رکھتے ہوں، تو سب مسلمانوں کی ریاست کے لیئے اور سارے قرآن اور شریعت کے احکام بچا لانے کے واسطے کیونکر امام ہو سکتے ہیں *

جواب

اس طعنہ کا جواب یہ ہے، کہ شیعوں نے اس روایت میں عجب تماشا کیا ہی، کسیکا سر اور کسی کا پائوں لیکر ایک صورت بنائی ہی، اور یہ شعر انہی کے مناسب حال ہی چہ خوش گفت است سعدی در زلیخا * الا یا ایہا الساتی اور کساونا ولہا یہہ تو وہی نقل ہوئی کہ ایک شخص نے مسئلہ پوچھا تھا، کہ خشن اور خشین معاویہ کی تینوں بیٹیوں کے واسطے کیا حکم ہی، ”بیوں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا“ اس ماجرے کی حقیقت یہہ ہی، کہ سننیں کے ہاں اس قصہ میں مختلف روایتیں ہیں، اور اکثر روایتوں میں یہہ بات تحقیق ہی، کہ حضرت ابوبکر کو حج کی امارت دیکر بھیجا تھا، نہ سورہ برات پہونچا نے کو، اور جب کہ حضرت ابوبکر روانہ ہو چکے اُس کے بعد سورہ برات فازل ہوئی، اس نئے حکم کے پہونچانے کے واسطے جناب علی مرتضیٰ کو روانہ کیا، اس صورت میں ہرگز حضرت ابوبکر کی موقوفی نہ ہوئی، بلکہ یہہ دونوں شخص دو کاموں کے واسطے مقرر ہوئے، ان روایتوں میں شیعوں کو کچھ اعتراض کی جگہ نہیں، اس واسطے کہ جب حضرت ابوبکر کا مقرر ہونا نہ ثابت ہوا تو موقوفی کیونکر ہو سکتی ہی، چنانچہ تفسیر بیضاوی اور اور مدارک اور زاعدی اور تفسیر نظام نیشا پوری اور جذب القلوب اور مشکوٰۃ شریف کی شرحوں میں یہہ روایت ہی، اور محدثوں کے نزدیک بھی یہہ بات قوی ہی، اور معالم اور حسینی اور معارج النبوت اور روضۃ الاحباب اور حبیب السیر اور مدارج النبوت میں یہہ بات لکھی ہی، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو سورہ برات کے پڑھنے کو بھی فرمایا تھا، اور بعد اُس کے جناب علی مرتضیٰ کو اس بات کے واسطے مقرر کیا، اس میں دو احتمال ہیں، ایک یہہ کہ حضرت ابوبکر کو سورہ برات پڑھنے کی خدمت سے موقوف کر کے جناب علی مرتضیٰ کو مقرر کیا، دوسرے یہہ کہ حضرت علی مرتضیٰ کو حضرت ابوبکر کے شریک کیا کہ دونوں ملکر اس کام کو کریں، اور روایتیں روضۃ الاحباب اور بخاری اور مسلم اور سب محدثوں کی دوسرے احتمال کی تائید کرتی ہیں، اس واسطے کہ ان سبھو نے متفق ہو کر روایت کی ہی، کہ حضرت ابوبکر صدیق نے ابو ہریرہ اور چند آدمیوں کو جو

جناب علی مرتضیٰ کے متعین تھے نحر† کے دن حکم دیا کہ پکار دیں کہ ”لا یحج بعدالعام“ مشرک ولا یطوف بالبيت عریانا“ یعنی نہ حج کریں اس برس کے بعد سے مشرک اور نہ طواف کریں ننگے لوگ۔ اور ان روایتوں سے صاف ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکر اس خدمت سے موقوف نہ ہوئے تھے، ورنہ دوسرے کے کام میں کیوں دخل کرتے، اور پکارنے کے لیئے لوگ کاہیکو مقرر کرتے، پس اس صورت میں کہ معزولی نہوئی شیعوں کا اعتراض اُٹھ گیا، اب پہلا احتمال باقی رہا، کہ لایوسی علی الا رجل منی، یعنی نہ پہونچاوے یہہ حکم میری طرف سے مگر کرنی آدمی میرے گھر کا، اُس کو تقویت دیتا ہی، اور جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہہ حکم بھی، کہ سورۃ براءت کو ابوبکر سے لے اور تو اُس کو پڑا اگر صحیح گنا جاوے تو اُسی کی تائید کرتا ہی، اس کا جواب یہہ ہی کہ حضرت ابوبکر کی موقوفی اُن کی بے لیاقتی یا اس کام کے قابل نہ ہونے کے سبب نہ تھی، اس واسطے کہ سب کے نزدیک ثابت ہی کہ حضرت ابوبکر حج کی سرداری سے موقوف نہوئے تھے، اور حج کی سرداری کی لیاقت رکھتے تھے، اور اُس میں لاکھوں مسلمانوں کی عبادت کی درستی ہوتی ہی، اور بہت سے حکم ادا کیئے جاتے ہیں، اور خطبی پڑھے جاتے ہیں، اور مسئلہ سکھانے ہوتے ہیں، اور اُس انبؤہ میں جو نئی نئی باتیں ہوتی ہیں اُس کے فتویٰ دیئے جاتے ہیں، کہ ان باتوں کے لیئے بڑا اجتہاد اور بہت سا علم چاہیئے، جبکہ اتنی اتنی بڑی باتیں حضرت ابوبکر سے متعلق ثابت ہوئیں، تو قرآن کی کئی آیتوں کو پکار کر پڑھنے کی لیاقت کہ ہر قاری اور حافظ اُسکو پڑا سکتا ہی کیونکر نہوگی، اور حضرت ابوبکر کے خطبوں کی اور حج کروانے کی تعریفیں، جو حضرت ابوبکر سے اُس وقت ہوئیں تھیں، صحیح نسائی آؤر حدیث کی کتابوں میں بہت جگہ موجود ہیں، اور سب مورخین کے نزدیک ثابت ہی کہ حضرت علی مرتضیٰ اس سفر میں حضرت ابوبکر کی پیروی کرتے تھے، اور اُنکے پیچھے نماز پڑھتے تھے، اور حج کے کاموں میں اُن کی تابعداری کرتے تھے، اور تاریخ کی کتابوں سے اور حدیثوں سے ثابت ہی، کہ جب کہ حضرت علی مرتضیٰ مدینہ منورہ سے جلدی چاندی چلے، اور جہت پمت حضرت ابوبکر کے پاس پہونچے، اور جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی آواز حضرت ابوبکر نے سنی بیقرار ہوئے، اور جانا کہ شاید پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم آپ حج کروانے کو تشریف لائے، اور سارے لشکر کو کپڑا کیا اور ٹھہرے، جبکہ حضرت علی مرتضیٰ سے ملاقات ہوئی تو پوچھا کہ، ”امیر ابو مامور“ یعنی تو سردار ہی اور میں سرداری سے موقوف ہوا یا تو تابع ہی اور میں سردار حضرت علی مرتضیٰ نے

† نحر کا دن ہرمید کی دہریں تاریخ کو کہتے ہیں کہ اُس روز قربانی ذبح کی جاتی ہی *

جواب دیا کہ میں تابع ہوں، بعد اس کے حضرت ابوبکر روانہ ہوئے اور † ترویہ کے دن سے پہلے خطبہ پڑھا اور اسلام کے طریقہ کے موافق حج کے قاعدے لوگوں کو سکھانے شروع کیے، اب ضرور ہی کہ حضرت ابوبکر کی موقوفی جو توان کی چند آیت کے پڑھنے سے ہوئی ہے لیاقتی اور ناقابلیت کے سوا اس موقوفی کی اور کرئی وجہ ہو، اور نہیں تو حضرت ابوبکر کو اتنے بڑے کام پر بحال رکھنا اور چھوٹے آسان کام سے موقوف کرنا صریحاً عقل کے برخلاف ہی، اور جناب پیغمبر خدا صلی اللہ وسلم سے کہ سب سے بڑے عقل مند تھے اُن سے بھی یہ بات نہیں ہوسکتی چہ جائے کہ اللہ تعالیٰ حکمت کے برخلاف حکم بھیجے، اور وہ وجہ یہ ہے کہ عرب کے لوگوں کی عہد و پیمان کرنے یا لڑنے اور صلح کرنے میں یہ عادت تھی کہ ان باتوں کو خود قوم کے سردار سے کیا کرتے تھے، یا اُس شخص سے کرتے تھے جو اُس کے بدزلہ جان و جگر کے ہو جیسے بیٹا یا داماد یا بھائی، اور اوروں کے کہنے کو گو وہ کیسا ہی بزرگ اور ذی عزت ہو بار نکرتے تھے، چنانچہ اب بھی عرب میں یہی رواج ہی کہ جب آپس میں بادشاہوں یا امیروں یا زمینداروں کے کسی ملک یا سرحد کی بابت جھگڑا ہوتا ہی، تو دونوں طرف کے وزیر اور امیر اور فوجیوں اور لشکر لڑنے بھڑنے میں کوشش کرتے ہیں، اور جبکہ عہد و پیمان قول قسم کی نوبت پہنچتی ہی، تو جب تک کہ بادشاہزادہ نہ آوے اور اپنی زبان سے اُس بات کو نہ کہے اُس وقت تک باور نہیں کرتے، اور اگر غور کر کے دیکھو تو اس انبۂ میں کہ چھ لاکھ آدمیوں کے قریب اُس جنگل میں جمع ہوتا ہی، سورہ برات کا پکار پکار کے پڑھنا اور ہر شخص کے کان تک آواز پہنچانی اس بات پر موقوف ہی کہ آدمی بہت محنت کرے اور بڑا پھرے اور ہر بازار اور کرجہ میں اور ہر خیمہ کے پاس پکار پکار کے پوہنا پھرے، اور امیر حج سے یہ بات ہرگز نہیں ہوسکتی، اس واسطے کہ وہ شخص حاجیوں کو ارکان حج سکھانے میں اور اُنکو قصہ و نساہ سے اور ہر طرح کے گناہوں سے بچانے میں مشغول رہیگا، پس ضرور ہی اس کام کے لیئے ایک اور بزرگ شخص جیسے کہ حضرت ابوبکر تھے چاہے، اُس نظر سے جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ کو اس کام پر مقرر کیا، اور حضرت ابوبکر کو حج میں، تاکہ دونوں کام بہت اچھی طرح سے انجام ہوں، اور لوگ یہ بات جانیں کہ یہ دونوں کام بڑے اور جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دل سے منظور تھے، اور اگر صرف اسی بات پر اکتفا کیا جاتا کہ حضرت ابوبکر اپنے آدمیوں سے عہد کا موقوف کرنا بھی کہوا اور بگڑا دیں، تو لوگوں کو گمان ہوتا کہ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم

کے نزدیک عہد و پیمان کی بات چندان ضروری نہ تھی، نہیں تو اس بات کے لیئے بھی خاص کر ایک بڑے شخص کو بھیجتے، اور اس بات سے سنیوں کے عالموں نے ایک خوب لطیفہ نکالا ہے، کہ حضرت ابوبکر میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی صفت کی شان تھی اس واسطے اُن کی شان میں فرمایا ہے کہ ”ارحم امتی بامتی ابوبکر“ یعنی میری ساری امت میں سے بہت مہربان امت کے حق میں ابوبکر ہی، اور مسلمان کہ مورد رحمت الہی ہیں اُنکا کام تو حضرت ابوبکر کے سپرد کیا، اور جناب علی مرتضیٰ شیر خدا ہیں اللہ تعالیٰ کے جلال اور قہر کی شان تھی، کہ کافروں کا مارا حضرت کا شیوہ تھا، اور کافر کہ مورد غضب الہی ہیں اُنکی عہد شکنی کا کام حضرت علی مرتضیٰ کو حوالہ کیا، تاکہ اللہ تعالیٰ کے جمال اور جلال کی دونوں شانیں ظاہر ہوویں، اور تماشا یہہ ہی کہ حضرت ابوبکر سورہ برات کے نام میں بھی حضرت علی مرتضیٰ کے مددگار تھے، چنانچہ بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ سے روایت موجود ہے، کہ حضرت ابوہریرہؓ کو اور ایک اور جماعت کو حضرت علی مرتضیٰ کے ساتھ معین کیا، اور کبھی کبھی آپ بھی اس کام میں شریک ہوتے تھے، چنانچہ ترمذی نے اور حاکم نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ ”کان علی یذلّی فاذا اعیی قام ابوبکر فنادی بہا“ یعنی حضرت علی پکارتے تھے جب تھک جاتے تھے تو اوتھے کو حضرت ابوبکر اُن لفظوں کو پکارنے لگتے تھے، اور ایک روایت میں ہے کہ ”فاذا بجم قام ابوہریرہ فنادی بہا“، یعنی جب آواز دیتے جاتے تھے تو حضرت ابوہریرہؓ اُن لفظوں کو کہتے ہو کر پکارتے تھے، غرض کہ حضرت ابوبکرؓ کی موقوفی سے یہی غرض تھی کہ عرب کے لوگوں کی عادت کے موافق عہد شکنی کو ظاہر کر دیا جاوے، تاکہ آئندہ عرب کے لوگوں کو کچھ عذر نہ ہووے، کہ ہمارے تئیں ہماری عادت کے موافق عہد شکنی سے خبردار نہیں کیا، کہ ہم اپنی راہ پکڑتے اور اپنے کام کی سوچ کرتے، چنانچہ † معام اور ‡ زاہدی اور † بیضاوی اور شرح تجرید اور † شرح مواقف اور † صواعق اور † زہد اور † مشکوٰۃ شریف اور سنہوں کی اور کتابوں میں یہی بات لکھی ہے، اور اسی واسطہ جب جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے † حدیبہ میں صلح ہونے کے بعد اوس انصاری †† کو کہ لکھنے میں بہت مہارت رکھتا تھا عہد نامہ لکھنے کے واسطہ بلایا سہیل بن عمرو نے

† حاکم نام مہدث کا ہے اور مہدث اسکی کتاب ہے *

‡ کلام اللہ کی تفسیر ہے —

|| مقاید کی کتاب ہے —

¶ ایک کتاب ہے رد رواض کی عربی زبان میں *

* حدیب کی کتاب ہے *

† حدیبہ مکان کا نام ہے کہ وہاں مکہ کے لوگوں سے صلح ہوئی تھی *

†† نام صحابی

کہ مشرکوں کی طرف سے مصالحتہ کے واسطے آیا تھا عرض کیا، کہ یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مناسب ہی کہ یہ عہد نامہ حضرت علی مرتضیٰ آگے چھپے رہائی لکھیں اور اُسکے لکھنے کو منظور نہ کیا کہ مدارج اور معارج اور اور بھی تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہوا ہی *

دوسرا جواب

ہم نے مانا کہ حضرت ابوبکر کو سورہ برات کے پہنچانے سے ایک جزوی مصلحت کے واسطے موقوف کیا، لیکن ایسے شخص کی موقوفی جو صاحب عدالت ہو اور ہزاروں حدیثیں اور قرآن کی آیتیں اُسکی عدالت پر گواہ ہوں، اس بات پر دلیل نہیں ہوسکتی کہ وہ ریاست کی لیاقت اور صلاحیت نہیں رکھتا، خصوصاً اُسوقت میں کہ جس خدمت سے معزول ہوا اُس میں کچھ تقصیر اور چوری نہ ہوئی ہو، اس واسطے کہ حضرت علی مرتضیٰ نے عمر ابن ابی سلمہ کو کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص ربیب † اور حضرت علی مرتضیٰ کے خاص دوستوں میں سے اور عابد اور زاہد اور دیانت دار اور عالم اور فقیہ اور پرهیز گار تھا، ولایت بکریں سے موقوف کیا، اور اُس کے عذر میں خط لکھا کہ فہج البلاۃ میں جو شیعوں کے ہاں بہت صحیح کتاب ہی موجود ہی، "اما بعد فانی ولیمت النعمان بن عجلان الذورقی علی البکریں و نزعتم یدک بلا ذم لک ولا تتریب علیک فقد احسنت الولاۃ وادیت الامانة فاقبل غیر ظنین ولا ملوم ولا متهم ولا ما ثوم یعنی تحقیق میں نے سردار کیا نعمان بیٹے عجلان ذورقی کو بکریں پر اور تیرے ہاتھ سے نکالا بغیر تیوی برائی کے اور بغیر الزام کے تجربہ پر پس تحقیق تو نے اچھی حکومت دیانت اور امانت سے کی پس تو چلا آ اور میں تجھے پر کچھ گمان بد نہیں لے جاتا اور تجھے کچھ تہمت اور گناہ نہیں لگاتا اور کچھ ملامت نہیں کرتا، اور یقینی ثابت ہی کہ عمر بن ابی سلمہ نعمان بن عجلان ذورقی سے اچھا تھا، دین میں بھی اور حسب میں بھی اور نسب میں بھی اور حکومت بھی جیسا کہ چاہئے دیانت اور ایمانت سے کی، اور اگر حضرت ابوبکر قرآن کے چند آیتیں پڑھنے کی بھی لیاقت نہ رکھتے تھے، تو اُن کے تئیں امیر حج کرنے کے کہ اُس کام سے ہزاروں درجہ بڑا ہی کیا معنی، اور جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ سب کے نزدیک معصوم ہیں ایسی بات کیونکر ہوتی *

† ربیب چورج کا بیٹا دوسرے خاندان سے اور یہ عمر بن ابی سلمہ حضرت ام سلمہ کے

بیٹے تھے *

بارہواں صلۃ

یہہ ہی، کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے، جناب فاطمہ علیہم السلام کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ میں سے کہ اُن کے باپ تھے کچھ نہ دیا، حضرت فاطمہ علیہم السلام نے فرمایا، کہ اے ابو قحافہ!† کے بیٹے تو اپنے باپ کی میراث لے اور میں اپنے باپ کی میراث نہ لوں یہہ کرنسا انصاف ہی اور جناب فاطمہ کے مقابلہ میں ایسی حدیث کو کہ جسے آپ ہی اکیلی روایت کرتی تھیں دلائل پکڑا، اور کہا کہ میں نے جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہی، کہ ہم نبی نہ کسی سے میراث لیتے ہیں اور نہ کوئی ہم سے میراث لیتا ہی، باوجودیکہ یہہ بات صریحاً قرآن کے برخلاف ہی، ”یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین“ یعنی کہہ رکھتا ہی تسکو اللہ تمہاری اولاد میں مرد کو حصہ برابر دو عورت کے، اس واسطے کہ یہہ آیت عام ہی اور سب لوگوں کے واسطے ہی خواہ نبی ہوں خواہ نہوں، اور ایک اور آیت کے بھی برخلاف ہی، ”ورث سلیمان داود“ یعنی اور وارث ہوا سلیمان داود کا، ”فہب لی من لدنک ولیا یرثنی“ ویرث من آل یعقوب، یعنی سو بخش مجھ کو اپنے پاس سے ایک کلم اٹھانے والا جو میری جگہ بیٹھے اور یعقوب کی اولاد کے، اس سے معلوم ہوا کہ نبی وارث بھی ہوتے ہیں اور اُن کے وارث اُن سے میراث بھی لیتے ہیں *

جواب

اس صلۃ کا جواب یہہ ہی، کہ حضرت ابوبکر نے جو حضرت فاطمہ کو ترکہ نہ دیا تو صرف اس کا یہہ سبب ہی، کہ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے حکم قطعی سنا تھا، اور یہہ بات نہ تھی کہ جناب فاطمہ سے اُن کو کچھ بغض اور عداوت تھی، اور اُس کی دلیل صاف ہی کہ اگر جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ترکہ تقسیم ہوتا تو اُن کی ازواج مطہرات کہ اُن میں سے جناب عایشہ صدیقہ حضرت ابوبکر کی بیٹی بھی تھیں اُن کو بھی ترکہ پہونچتا، اگر حضرت ابوبکر کو جناب فاطمہ سے بغض اور عداوت تھی تو اور ازواج مطہرات سے اور اُن کے باپ اور بھائیوں سے خصوصاً اپنی بیٹی حضرت عایشہ صدیقہ سے کیا عداوت تھی، کہ ان سب کے تئیں ترکہ سے محروم رکھا اور جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ میں سے آدھے کے قریب حضرت عباس پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کو پہونچتا تھا، اور حضرت عباس حضرت ابوبکر کے خلیفہ ہونے کے وقت سے اُن کے

زینبی اور صلاح کار تھے، اُن کو کیوں ترکہ سے معذور رکھتے، اور یہ بات کہ حضرت فاطمہ علیہا السلام کے مقابلہ میں ایسی روایت کی کہ خود اُس کے قایل تھے اور اور کوئی واقف نہ تھا جھوٹ ہی، اس واسطے کہ یہ حدیث سنیں کی کتابوں میں حدیث بن الیمان اور زبیر بن العوام اور ابو درداء اور ابو ہریرہ اور عباس اور علی اور عثمان اور عبدالرحمان بن عوف اور سعد بن ابی وقاص کی روایت سے ثابت ہے، اور یہ لوگ بہت بڑے صحابی ہیں اور بعضوں کے واسطے بہشتی ہونے کی خبر ہے، اور حدیث کے حق میں ملا عبداللہ مشہدی نے اظہار الحق میں یہ حدیث پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کی ہے کہ ”ما حدثکم حدیثہ تصدقوہ“ یعنی جو حدیث کہ تم سے حدیث کہے اُس کے تئیں سچ جانو، اور انہی میں سے جناب علی مرتضیٰ ہیں کہ سب شیعوں کے نزدیک معصوم اور سب سنیوں کے نزدیک صادق ہیں، اور جناب عائشہ صدیقہ اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی روایت کو ایسے مقام پر لکھیکو مانیگے، اخرج البخاری عن مالک بن اوس بن الحدثان النصری، ان عمر بن الخطاب قال یحضر من الصحابة فیہم علی والعباس و عثمان و عبدالرحمن بن عوف و الزبیر بن العوام و سعد بن ابی وقاص انشدکم باللہ الذی باذنه تقوم السماء والارض اتعلمون ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا نورث ماترکناہ صدقۃ قالوا للہم نعم ثم اتبل علی و العباس فقال انشدکما باللہ هل تعلمان ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد قال ذلک قالوا الہم نعم“ یعنی بخاری نے مالک بن اوس بن حدثنان قصری سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے سب صحابہ کے زور پر کہ اُن میں علی اور عباس اور عثمان اور عبدالرحمان اور زبیر اور سعد باپ تھے یہ بات کہی کہ تمکو اُس خدا کی قسم دیتا ہوں جس کے حکم سے آسمان زمین کھڑا ہے تم جانتے ہو کہ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری میراث نہیں ہے جو کچھ میرے چھوڑا وہ صدقہ ہے سب نے کہا کہ بخدا اسی طرح ہے بعد اس کے حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت عباس کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ تم دونوں کو خدا کی قسم دیتا ہوں تم جانتے ہو کہ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کو فرمایا ہے اُن دونوں نے کہا کہ بخدا ایسا ہی ہے! اب ثابت ہوا کہ حکم ناطق ہونے میں یہ حدیث بھی کلام اللہ کی آیت کے برابر ہے، اُس واسطے کہ یہ سب صحابی جتنے نام اوپر لیئے گئے ان میں سے ایک کے بھی کہنے سے یقین ہو جاتا ہے، چہ جائے کہ یہ سب لوگ ملکر کہیں، اور خصوصاً حضرت علی مرتضیٰ کے شیعوں کے نزدیک معصوم ہیں، اور معصوم کی روایت یقین میں قرآن کی برابر ہے، اور بہلا ان روایتوں کو جانے دو شیعوں کی صحیح کتابوں میں امام معصوم

سے روایت موجود ہے، ”روى محمد بن يعقوب الرازي في الكافي عن أبي البختري عن أبي عبد الله جعفر بن محمد صادق عليه السلام، قال: إن العلماء ورثة الأنبياء، وذلك أن الأنبياء لم يورثوا و في نسختهم لم يورثوا درهمًا ولا دينارًا، وإنما ورثوا الأحاديث من أحاديثهم فمن أخذ بشيئ من هذا فقد أخذ بحظ وافر“ یعنی جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ تحقیق علماء نبیوں کے وارث ہیں اور یہ بات اس طرح ہے کہ نبیوں کا ترکہ نہیں ہوتا اور بعضی کتابوں میں یوں ہے کہ نبیوں کا ترکہ روپیہ پیسہ نہیں ہوتا اگر ترکہ ہوتا ہے تو چند نصیحتیں ہوتی ہیں اپنی نصیحتوں میں سے جس جس شخص نے کہ اُن میں سے کچھ لیا تو بیشک اُس نے بڑا کامل حصہ لیا، اور انما کے لفظ سے شیعوں کے نزدیک بالکل حصر ہو جاتا ہے جیسے کہ، ”انما وليكم الله“ کے بیان میں گذرا اس سے معلوم ہوا کہ نبی علم اور حدیثوں کے سوا اور کچھ ترکہ نہیں چھوڑتے، اب ہمارا مطلب امام معصوم کے کلام سے ثابت ہوا، اور بھی یہ سمجھنا چاہیئے کہ جو شخص جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی اپنے کان سے ایک بات سنے تو وہ بات بلاشبک و شبہ یقینی ہے، اور اُس پر عمل کرنا اُس کے تئیں واجب ہے خواہ دوسرے سے سنے خواہ نہ سنے، اور سب شیعہ اور سنی کے علمائے علم اصول کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حدیث کی تقسیم متواتر اور غیر متواتر پر، اُنہیں لوگوں کے لئے ہے جنہوں نے پیغمبر کو نہ دیکھا ہو اور اوروں کی زبانی حدیث سنی ہو، اور جس نے کہ خود پیغمبر کو نہ دیکھا ہو اور بلا واسطہ اُن سے حدیث سنی ہو تو وہ حدیث اُس شخص کے لئے حدیث متواتر کے حکم میں ہے، بلکہ اُس سے بھی زیادہ، اور جو کہ حضرت ابوہریرہ نے اس حدیث کو خون آنکھوں سے سنا تھا تو اُنکو دوسروں سے پوچھنے کی حاجت نہ تھی، اب یہ بات رہی کہ یہ حدیث قرآن کی آیت کے برخلاف ہے یہ بھی غلط ہے اسلئے کہ اُس آیت میں، ”کم“ کا خطاب امت کی طرف ہے نہ پیغمبر کی طرف، پس یہ حدیث لفظ خطاب کی مراد کو ظاہر اور معین کر دیتی ہے آیت کو خاص نہیں کرتی، اور اگر خاص بھی کرتی ہو تو اُس سے آیت کی تخصیص لازم آتی ہے مخالفت کہاں سے ہوئی، اور اس آیت میں بہت سی تخصیصیں ہوئی ہیں، مثلاً کافر کی اولاد وارث نہیں ہوتی، غلام وارث نہیں ہوتا، قاتل بھی وارث نہیں ہوتا، اور شیعہ بھی اپنے اماموں سے روایت کرتے ہیں کہ اُنہوں نے اپنے باپ کے بعض وارثوں کو اپنے باپ کے ترکہ کی بعض چیزوں کا مثل تلوار اور قرآن اور انگشتی اور ہاتھ پہنے کے کپڑوں کے ترکہ نہیں دیا، اور خود لے لیا، اور اس روایت کے تنہا وہ خود ہی بیان کرنے والے تھے، اور اہل سنت کے نزدیک امام کا معصوم ہونا ثابت نہیں ہے، اور ان باتوں کی صحت اور

نبوت کی دلیل تمام اہلبیت کی نسبت علی مرتضیٰ سے لیکر اخیر تک یہہ ہی، کہ جب آنحضرت کا ترکہ اُنکے ہاتھ میں آیا تو انہوں نے حضرت عباس اور اُنکی اولاد کو خارج کیا اور دخل تک نہیں دیا، اور آنحضرت کی ازواج کو بھی اُنکا حصہ نہیں دیا، پس اگر پیغمبر کے ترکہ میں میراث جاری ہوئی تو یہہ سب بزرگ کہ شیعتہ کے نزدیک معصوم اور اہل سنت کے نزدیک محفوظ ہیں کس طرح ایسی صریح حق تلفی روا رکھتے، اس لیے کہ تمام اہل سیر و تواریح اور علماء حدیث کے نزدیک بالاجماع ثابت ہی، کہ آنحضرت کا ترکہ خیبر و نذک وغیرہ جو کچھ تھا حضرت عمر بن خطاب کے عہد میں علی مرتضیٰ اور حضرت عباس کے ہاتھ میں تھا، علی مرتضیٰ نے حضرت عباس پر قابو پا کر لے لیا، اور علی مرتضیٰ کے بعد حسن بن علی یاس اور پھر حسین بن علی یاس اور پھر علی بن الحسین اور حسن بن حسن یاس آیا، اور یہہ دونوں بزرگ باری باری سے تصرف کرتے تھے، اُس کے بعد زید بن حسن بن علی، حسن بن حسن علیہم السلام کے بھائی متصرف ہوئے، اُس کے بعد مروان کے ہاتھ جو امیر تھا پڑا، اور مروانیوں کے ہاتھ میں رہا، جب عمر بن عبدالعزیز بادشاہ ہوا تو اُس نے بسبب اپنے عدل کے جو اُسکی طبیعت میں تھا کہا کہ میں اُس چیز کو نہیں لیتا جس کے لینے سے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ علیہا السلام کو منع کیا اور نہ دیا، مجھ کو اُس میں کچھ حق نہیں ہی میں اُسکو پھیر دیتا ہوں، پھر اُس نے حضرت فاطمہ کی اولاد کو پھیر دیا، پس ائمہ معصومین اہل بیت کی کارروائی سے معلوم ہوا کہ آنحضرت کے ترکہ میں میراث جاری نہیں ہوتی، اور وراثت کی آیت اُس حدیث سے جو اوپر بیان ہوئی ہی خاص ہو گئی ہی، اب یہہ بات رہی کہ آیت ”ورث سلیمان داؤد“ اسباب پر دلالت کرتی ہی کہ انبیا وارث بھی ہوتے ہیں اور انبیا کے وارث بھی اُنکی میراث لیتے ہیں، اور اس کے برخلاف قطعی حدیث ہی جو معصومین کی روایت سے ثابت ہوئی ہی، اس مشکل کے حل کرنے میں بھی معصوم ہی کے قول پر ہم رجوع کرتے ہیں، اور شیعہ ہی کتابوں سے اسکا حل چاہتے ہیں، کلینی نے ابی عبد اللہ سے روایت کی ہی کہ، ”ان سلیمان ورت داؤد وان محمد اُورث سلیمان“، یعنی سلیمان وارث ہوا داؤد کا اور محمد صلعم وارث ہوئے سلیمان کے، پس معلوم ہوا کہ یہہ وراثت علم و نبوت اور کمالات نفسانی کی تھی نہ وراثت مال اور متروکہ کی، اور قرینہ عقلی بھی قول معصوم کے مطابق اسی وراثت پر دلالت کرتا ہی، اس لیے کہ باجماع مورخین حضرت داؤد کے انیس بیٹے تھے، پس چاہیئے تھا کہ وہ سب حضرت داؤد کے وارث ہوتے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان کے اختصاص اور امتیاز کے لیے وہ آیت فرمائی ہی، اور جو وراثت کہ حضرت

سلیمان کے لئے مخصوص ہی اور آؤر بھائیوں کو جس میں شرکت نہیں ہوسکتی وہ وراثت علم اور نبوت کی ہی، کیونکہ یہی چیز آؤر بھائیوں کو حاصل نہ تھی، اور یہہ بھی ظاہر ہی کہ ہر ایک بیٹا اپنے باپ کی میراث لیتا ہی اور اپنے باپ کے مال کا وارث ہوتا ہی، پھر اسی بات کو بتلانا محض لغو ہوتا، اور خدا کے کلام میں لغو نہیں ہوسکتا، اور حضرت سلیمان کو ایک ایسی چیز میں جس میں تمام عالم شریک ہی شریک بتلانا بزرگی کی کونسی بات ہی، کہ خدا تعالیٰ اُن کی فضیلت اور بزرگی بیان کرنے میں اس علم وراثت کا بیان فرماتا، اور اسکے بعد جو یہہ کلام ہی کہ ”وقال یا ایہا الناس علمنا منطلق الطیر“ یعنی حضرت سلیمان نے کہا کہ اے لوگو مجھکو جانوروں کی بولی سمجھنی یہی بتائی گئی ہی، اس کلام سے صاف ظاہر ہی، کہ وراثت سے مراد علم کی وراثت ہی، اور اگر یہہ کہیں، کہ علم کی نسبت وراثت کا لفظ ہولنا مجازاً ہی اور مال کی نسبت حقیقتاً ہی، پھر لفظ کے حقیقی معنی چھوڑ کر بغیر ضرورت کے مجازی معنی کیوں لئے جا دیں، تو ہم یہہ کہیں گے کہ قول معصوم کو جھوٹ ہونے سے بچانے کی ضرورت ہی، اور یہہ بھی ہم نہیں مانتے کہ وراثت کا لفظ مال کی نسبت حقیقتاً ہولا جاتا ہی، بلکہ فقہا نے جو کثرت سے وراثت کے لفظ کا مال میں استعمال کیا ہی اس سبب سے مال کی نسبت اُس کا استعمال خاص کر ہو گیا ہی، جیسیکہ بطور عرف عام کے کوئی لفظ ایک معنی سے دوسرے معنی میں ہولا جاتا ہی، اور حقیقت میں اُس کا اطلاق علم اور منصب سب طرح کی وراثت پر صحیح ہی — ہم نے مانا کہ علم میں وراثت کا استعمال کرنا مجاز ہی، لیکن یہہ مجاز متعارف اور مشہور ہی، خصوصاً قرآن میں اس کا استعمال اس قدر ہوا ہی کہ حقیقی معنوں کی برابر پہنچ گیا ہی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہی، ”ثم ادرثنا الكتاب الذي اصطفينا من عبادنا فخلف من بعد هم خلف ورتوا الكتاب“ یعنی ہم نے کتاب کا وارث اُن لوگوں کو کیا جن کو ایلے بندوں میں سے ہم نے چن لیا پھر اُن کے جانشین اُن کے بعد اچھے جانشین ہوئے کہ کتاب کے وارث ہوئے، اور دوسری آیت میں ہی کہ، ”یورثنی ویرث من آل یعقوب“ یعنی میرا اور آل یعقوب کا وارث ہو، پس یقینی بہ ہدایت عقل معلوم ہوتا ہی کہ اس جگہ منصب کی وراثت مراد ہی، کیونکہ اگر لفظ آل یعقوب سے خاص یعقوب کی ذات بطور مجاز کے مراد ہو تو لازم آتا ہی کہ یعقوب کا مال اُنکے وقت سے حضرت زکریا کے وقت تک جسکو دو ہزار برس سے زیادہ گذر گئے تھے بغیر تقسیم کے باقی تھا، اور حضرت زکریا کے مرنے کے بعد اُسکی تقسیم ہو کر حضرت یحییٰ کا حصہ حضرت یحییٰ کو پہنچے، اور یہہ نہایت بیہودگی کی بات ہی، کیونکہ اگر وہ مال حضرت زکریا کی ذات

سے پہلے ہی تھا ہو تو وہ مال حضرت زکریا کا مال ہوگا اور یرثنی کے لفظ میں داخل ہوگا۔ اور اگر ال یعقوب سے اولاد یعقوب مراد ہو تو لازم آتا ہے کہ حضرت یعقوب تمام بغی اسرائیل کے کیا چہتے اور کیا مرے سب کے وارث ہوں، اور یہہ یہود کی پہلی یہودگی سے بھی زیادہ تر ہفتو ہی، یہہ اس آیت کو علمائے فرقہ شیعہ کا اس مقام پر لانا انکی کمال خدشہ نہی ہی، اور حضرت زکریا نے دو لفظ فرمائے ہیں ولیاً اور یرثنی، پس انہوں نے جنتاب الہی سے ایسا ولی مانگا ہی جسمیں وراثت کی صفت بھی ہو، یہہ اگر وراثت سے خاص کرٹی علمی وراثت مراد نہو تو یہہ صفت مختص لغو ہو جاتی ہی، اور اُسکے بیان کرنے میں کچھ فائدہ نہیں ہوتا، اسلیئے کہ تمام شریعتوں میں ویگا اپنے باپ کا وارث ہوتا ہی، اور لفظ ولی سے بیتکلف مال کی وراثت سمجھی جاتی ہی — اور یہہ بلکہ بھی ظاہر ہی کہ انبیاء کی ہمت عالی اور انکے نفوس قدسیہ کی نظر میں جو اس دنیا میں دنیاویات کے تعلقوں سے بے تعلق ہوتے ہیں، اور ہجرت خدا تعالیٰ کے اور کسی سے تعلق نہیں رکھتے، اور دنیا کے تمام مال و دولت کو ایک جو کے بدلے میں بھی نہیں خریدتے، خصوصاً حضرت زکریا کہ دنیا کی چیزوں سے نہایت بے تعلقی اور آزادی میں مشہور و معروف ہیں، تو یہہ بات عادتاً محال ہی کہ مال و متاع کی وراثت ہونے سے جسکی کچھ بھی حقیقت اور قدر انکی آنکھ میں نہ بھی ڈرے ہوں، اور اس سبب سے اپنی آرزوگی اور رنج و غم اور خوف خدا کی چٹاب میں ظاہر کیا ہو، کہ یہہ باتیں صریح مالی و متاع کی محبت اور دلی تعلق سے ہوتے ہیں۔*

افسوس ہی کہ باقی اوراق اس باب کے ترجمہ کے ضایع ہو گئے

بارہواں باب

تولا و تبرا کے بیان میں

تولا کے معنی محبت کے ہیں اور تبرا کے معنی عداوت کے یہہ بحث بہت نازک ہی اس میں کئی مقدموں کو بہ ترتیب سنو کہ علماء شیعہ کے قول اور قرآن کی آیتوں سے ثابت ہوئے ہیں، اور اُن پر غور کر کے جانو، کہ شیعہ کے اصول کے موافق قابل تولا کے کون ہیں، اور قابل تبرا کے کون ہیں، اور سنیوں کے قول کو اس میں کچھ دخل نہیں۔*

پہلا مقدمہ

مخالفت اور عداوت میں یہ فرق ہی کہ مخالفت کو عداوت لازم نہیں ہے، اور اگرچہ یہ بات صریح ہی لیکن اور دو وجہ سے ثابت کرتے ہیں، پہلے یہ کہ ملا محمد رفیع واعظ، صاحب ابواب الجنان نے جو اٹنا عشریہ کے ہاں بہت معتبر شخص ہیں، یہ بات لکھی ہے کہ دو مسلمانوں میں دنیا کی باتوں میں مخالفت ہو سکتی ہے، حالانکہ بسبب ایمان کے آپس میں محبت ہو، دوسرے یہ کہ شیعوں کے اعتقاد کے موافق آپس میں شیخ ابن بابویہ اور سید مرتضیٰ علم الہدیٰ کی بعض شرع کے مسئلوں اور روایتوں کی صحت میں مثل خبر میثاق وغیرہ مخالفت متحقق ہے، اور بسبب اتحاد مذہب کے آپس میں محبت رکھتے تھے، اس صورت میں مخالفت عام ہوئی عداوت سے، پس یہ ضرور نہیں کہ جہاں مخالفت ہو وہاں عداوت بھی ہو، بلکہ جہاں عداوت ہوگی وہاں مخالفت ضرور ہوگی *

دوسرا مقدمہ

محبت اور عداوت کبھی جمع بھی ہوتی ہیں، تفسیر اس کی یہ ہے کہ عداوت دو قسم ہے، ایک دینی جیسے عداوت مسلمانوں کی کافروں کے ساتھ ہے، کہ اصول اور عقیدوں کے مختلف ہونے کے سبب سے آپس میں دشمنی رکھتے ہیں، دوسرے دنیوی جیسے ایک مسلمان کی عداوت دوسرے مسلمان بھائی کے ساتھ دنیا کے نفع و نقصان یا اس کے بد وضعی کے سبب ہو، اس صورت میں دو طرح کی محبت اور عداوت کا جمع ہونا ہرگز مشکل نہیں، بلکہ اکثر ہوتا ہے، باقی رہی ایک جنس کی محبت اور عداوت کہ اسکی نوع مختلف ہو، یا ایک نوع کی عداوت کہ اسکی صنف مختلف ہو، پس یہ بھی ہوتی ہے، جیسے مسلمان اور فاسق کہ بموجب قول اللہ تعالیٰ کے ایمان کی رو سے محبوب ہے، المؤمنون والمؤمنات بعضهم اولیاء بعض، یعنی مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں، اور فاسق ہونے کی رو سے بموجب قول اللہ تعالیٰ کے محبوب نہیں، ان اللہ لا یحب الظالمین واللہ لا یحب الظالمین، یعنی تحقیق اللہ تعالیٰ نہیں دوست رکھتا، خیانت والوں کو، اور اللہ تعالیٰ نہیں دوست رکھتا ظالموں کو، اور اس وجہ سے کہ بری چیز سے منع کرنا فرض ہے اور اس کا ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ اسکو ہل سے دشمن رکھے، اور اگر کوئی یہ بات کہے کہ کافر بھی اچھے کام خیرات اور انصاف اور سروت اور جوانمردی اور اپنی بات میں پورا ہونے اور سچ

بولنے کے سبب دین کی محبت سے محبوب ہو سکتا ہی یا نہیں ، اگرچہ ظاہر میں محبت اور عداوت جمع ہونے پر حکم ہو سکتا ہی جس طرح مؤمن اور فاسق میں جیسے خاتم کی محبت سخاوت اور نوشیرواں کی محبت عدالت کے سبب سے ، لیکن جب غور سے دیکھا جائے تو اُنکی محبت اور عداوت کا جمع ہونا دینی نہیں ہی ، اسلیئے کہ اللہ کی راہ میں عملوں کا قبول ہونا اعتقاد درست ہونے پر ہی ، اور جب کہ اُن لوگوں کا اعتقاد درست نہیں ہی تو اُن کے عمل بھی دین کی راہ میں بے اعتبار اور خدا کے نزدیک فاسد ہیں ، چہ جائے محبت ، اس صورت میں جو محبت کہ کافر محسن اور کافر عادل کے ساتھ ہوتی ہی اللہ تعالیٰ کے قول بموجب دنیا کی محبت ہی نہ دین کی ، ”والذین کفروا اعمالہم کسراب بقیعة یحسبہ الظن ان حتی اذا جاءہم لہم یجدہ شیئاً ووجد اللہ عندہ نوافا حسابہ واللہ سریع الحساب“ یعنی جن لوگوں نے کفر کیا اُنکے عمل مثل ریک رواں کے ہیں کہ پیاسا اُسکو پانی گد ان کرتا ہی یہاں تک کہ جب اُس کے پاس آتا ہی تو جانتا ہی کہ وہ تو کچھ نہ تھا اور اللہ تعالیٰ کو وہاں پاویگا کہ اُس سے پورا حساب لیگا اور اللہ تعالیٰ جلدی حساب لینے والا ہی ، اس صورت میں معلوم ہوا کہ ایک شخص کے ساتھ جمع ہونا محبت اور عداوت کا ایک حیثیت سے محال ہی ، اور دو حیثیت سے جائز ، اور ہوتا بھی ہی ، چنانچہ ملا محمد رفیع واعظ ، صاحب ابواب الجنان نے دو سیدوں کے قصہ میں حضرات ائمہ سے نقل کی ہی ، اور اس طرح کا جمع ہونا جیسا کہ عوام امت میں ممکن ہی خواص امت میں بھی محال نہیں ہی ، اس واسطے کہ بشریت سب میں ہی اور خواص و عوام امت میں جو فرق ہی اس سبب سے نہیں ہی کہ خواص میں بشریت نہیں ہی اور عوام میں بشریت ہی ، بلکہ اس سبب سے ہی کہ انہیں بزرگیاں کم ہیں اور اُنہیں زیادہ ، اور انکا ایمان ضعیف ہی اور اُنکا قوی ، چنانچہ ایمان کے درجوں میں حضرت امام جعفر صادق سے بروایت ثلثینی گذرا ، اور سب کے نزدیک خواص امت تین طرح پر ہیں ، ایک اہل بیت یعنی پیغمبر کی اولاد اور رشتہ دار ، اور دوسرے ازواج مطہرات ، اور تیسرے اصحاب خاص مہاجر اور انصار ، اب اتنی بات ہی کہ دونوں طرف جو مقابل ہیں آپس میں نسبت رکھتے ہوں ، مثلاً ایک امتی کو نہیں چاہیئے کہ خواص امت کے ساتھ اس طرح سے پیش آوے جس طرح وہ آپس میں پیش آتے ہیں ، اور اس پر بہت سی شرعی دلیلیں ہیں کہ اُنہیں سے یہ حدیث بھی ہی ”اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذوہم عرضاً من بعدی الی آخرہ“ یعنی خدا سے درو میرے اصحاب کے معاملہ میں اُنکو بقالو تم نشانہ میرے بعد ، اور اُسی میں سے اہل بیت اور انصار

کے حق میں یہ حدیث ہے ”اَقْبِلُوا عَنْ مَحْسَنِهِمْ وَتَجَارِزُوا عَنْ مَسِيئِهِمْ“ یعنی پسند کرو اور قبول کرو، اُنہیں کے اچھے کو اور درگزر کرو اُنکے برے سے، اور اُسی میں سے ازواج کے حق میں یہ آیت ہے ”وَأَزْوَاجَهُمْ إِيَّاهُمْ“ یعنی رسول کی ازواج مسلمانوں کی مائیں ہیں، اور پیغمبر خدا نے فرمایا ہے ”اَنْ اَمْرُكُنْ فِيمَا يَهْمُنِي بَعْدِي وَلَنْ يَصْبِرَ عَلَيَّكَ إِلَّا الصَّابِرُونَ“ یعنی تمہاری اطاعت اور فرمانبرداری پر صبر نہ کیونگے اور تمہاری تعظیم کے حق نہ کی رعایت نہ کریں گے مگر وہ لوگ جو صبر کامل رکھتے ہیں، اور اس پر بہت دلیلیں ہیں جیسی کہ اولاد کے تئیں اپنے ماہرپ کے ساتھ ہرگز یہ بات درست نہیں ہے کہ جس طرح کہ آپس میں طعنہ تشنیع اور عیب جوئی کرتے ہیں گو اُنہیں وہ باتیں موجود ہوں اسی طرح اُنکے ساتھ کریں، اور اسی طرح ہر بادشاہت میں خاص لوگ ہوتے ہیں جیسے بادشاہزادے اور بیگمات اور وزیر اور امیر کہ ان کے ہی سبب بادشاہت چمکتی ہے اور باقی رہتی ہے اور اُن کی ہی محضت کے سبب بادشاہت نے ایک صورت پکڑی ہے ان لوگوں کی خدمتوں کا حق اُن لوگوں پر جو اُس بادشاہت سے فائدہ مند ہیں ثابت ہے اور جو لوگ کہ نئے نوکر ہوں جس طرح آپس میں معاملہ کرتے ہیں اگر بادشاہزادوں اور بیگموں اور وزیروں اور امیروں کے ساتھ کریں تو بیشک بادشاہ اُن پر خفا ہو اور اگر اپنے معاملہ کو اُن خاصوں کے معاملہ پر قیاس کریں کہ وہ کبھی عیب پکڑتے ہیں اور کبھی خفا ہوتے ہیں اور کبھی صلاحوں میں برخلاف کہتے ہیں بلکہ کبھی لڑائی کی تربت دھونچتی ہے تو وہ لوگ بیشک بے ادب اور مردود گنہ جائیں گے اور اسی طرح سے کوئی شخص کمیٹہ ایک اشراف کے ساتھ وہ بات کرے جو اُس اشراف نے دوسرے اشراف کے ساتھ دشمنی اور برا کہنے سے کیا ہو تو عقلمند نہ چھوڑیں گے بلکہ تنبیہ کریں گے اور کہیں گے کہ تو اپنے تئیں دیکھ اور اُس کے تئیں دیکھ کہ اشرافوں سے ایسی بات کرتا ہے *

تیسرا مقدمہ

اگر دو مسلمانوں میں آپس میں دنیا کے سبب عداوت ہو تو ایمان میں کچھ خلل نہیں ہوتا، لیکن البتہ بری ہے، اور اگر اُس میں مرتبہ کی رعایت نہ ہو تو بہت بری ہے اور مرتبہ کی رعایت وہ ہے کہ دونوں خاصان امت میں سے ہوں یا عوام امت میں سے اور بے رعایت مرتبہ کے یہ معنی ہیں کہ ایک عام خاص کے ساتھ اولجہ اور وہ بتیں کرے

کہ آپس میں کرتا ہی ، اور خاصان امت کو آویز بیان کرچکے ہیں کہ تین گروہ ہیں اصحاب ، ازواج ، اور اہلبیت اور آخر زمانہ میں بھی تین گروہ ہیں ، سید ، عالم ، ولی ، اب اس جگہ دو باتیں ہوئیں ایک یہ کہ ایمان میں خلل نہیں ہوتا ، دوسرے یہ کہ بڑی ہی ، اور اُن دونوں کے ثابت کرنیکے لیئے کافی کلینی کی ایک روایت کافی ہی ، ملا محمد رفیع واعظ نے حضرت ابو عبد اللہ کے آرزو ہونے کا قصہ صفوان حمال سے روایت کر کے آخر کو یہ بات کہی ہی کہ ، حضرت ابو عبد اللہ گفتگو سے ایک رات گزرنے کے بعد خود عبد اللہ بن الحسن کے گھر گئے اور صلح کی ، اور کافی سے نقل کی ہی کہ “ لا یفتقر رجلان علی الہجران الا ستوجب احدهما البراءة واللعنة وربما استحق ذاک کلاهما قال الراوی وهو معتب جعلت فداک هذا الظالم فدا بال المظلوم قال لانه لا يدعو اخاه الى صلح ولا یتعاسس له “ یعنی نہیں جدا ہوتے دو آدمی ایک دوسرے کو چھوڑنے کی غرض سے مگر اُن میں سے ایک مستحق لعنت اور تبرا کا ہوتا ہی اور اکثر تو اس کے مستحق دینوں ہی ہوتے ہیں راوی نے کہا اور وہ غصہ میں تھے کہ میں آپ پر قربان ہوں یہ تو ظالم کا حال ہی اور مظلوم کا کیا قصور ہی فرمایا اسلیئے کہ وہ اپنے بھائی کو صلح کے لیئے نہیں بلا تا اور اُس سے چشم پوشی نہیں کرتا ، پس معلوم ہوا کہ ایسی آزر دگیاں خاصان امت میں ہوئی ہیں اور توبہ توبہ طریقین سے کسی کی مختل ایمان نہیں ، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اس طرح کی آزر دگی بڑی ہی ، جلدی سے اس کا علاج کرنا چاہیئے اور بسبب بشریت کے با وصف برابر ہونے درجہ کے خواصان امت میں آزر دگی ہونے پر جذبات فاطمہ اور حضرت امیر المومنین میں آزر دگی ہوئی اور حضرت کا ابوتراب نام ہونا گواہ کامل ہی ، اور اس قصہ کو بھی ملا رفیع نے بیان کر کے مقتضایے بشریت کا حوالہ کیا ہی *

چوتھا مقدمہ

دین کی عداوت کا مدار کفر ہی ، اس صورت میں ہر کافر کو دشمن سمجھنا چاہیئے اس واسطے کہ دین کی عداوت کا سبب قرآن کے بموجب کفر ہی ، اور جب کہ سبب ایک ہو تو حکم بھی ایک ہوتا ہی ، قولہ تعالیٰ ، “ لا تجد قوما یؤمنون باللہ والیوم الآخر یؤاخذون من حد اللہ و رسولہ ولو کانوا آباء ہم أو اخوانہم أو عشیرتہم “ یعنی نہیں پاریماتو اُس گروہ کو جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لائے ہیں کہ دوستی رکھتے ہوں ایسے شخص سے جو دشمن ہی اللہ اور اُس کے رسول کا اگرچہ یہ اُن کے باپ یا بھائی یا کنبہ کے ہوں ، وقولہ تعالیٰ

”یا ایہا الذین آمنوا لاتتخذوا الیہود والنصارى اولیاء بعضهم اولیاء بعض ومن یتولم منکم فانه منہم ان اللہ لا یمشی القوم الظالمین“ یعنی اے ایمان والو نہ بنو یہود اور نصاریٰ کو دوست و آہنس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں سے جو ان کو دوست بنائے گا تو وہ انہیں میں سے ہوگا اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت کرتا ہی قوم ظالم کو و قوله تعالیٰ ”لا یتخذ المؤمنون الکافرین اولیاء من دون المؤمنین ومن یفعل ذلک فلیس من اللہ فی شئ“ یعنی مومنوں کو نہیں چاہیئے کہ وہ کافروں کو اپنا دوست بنائیں اور جو ایسا کرے وہ خدا نے نزدیک کچھ نہیں ہی اور پہلی آیت سے صاف پایا جاتا ہی کہ کافروں کے ساتھ دنیا کی صحبت کے اسباب جیسے باپ ہونا بیٹا ہونا اپنا ہونا دوست ہونا ہوں، تو ان سب کے تئیں کافر ہونے میں نہ سمجھنا چاہیئے اور عداوت کا مدار کفر پر رکھنا چاہیئے اور دین کی صحبت کا مدار ایمان پر ہی اس صورت میں سب ایمان والوں کے تئیں خیرہ ذیک بخت ہوں خواہ گنہگار ایمان کے سبب صحبت

† اس مقام پر شاعر عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ذیل میں دے مقابلہ میں دے آیتیں لکھ دی ۱۵۔ جو خاص واقعات سے متعلق ہیں کفار و اہل کتاب سے مورما عداوت یا صحبت رکھنے سے ان آیتوں کو سمجھ تعلق نہیں ہی، خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ مسئلہ ہم کو صاف صاف بتا دیا ہی اور تمام مسلمانوں کو اسی حکم پر عمل کرنا چاہیئے اور وہ حکم یہ ہی —

لا ینہا کم اللہ عن الذین لم یقاتلکم فی الدین ولم یخرجکم من دیارکم ان یتبرؤا منکم و تقسموا الیہم ان اللہ یحب المقسطین انما ینہا کم اللہ عن الذین قتلکم فی الدین و اخرجکم من دیارکم و ظاہروا علی اخرجکم ان قتلوہم و من یتولم فاولئک ہم الظالمون (سورۃ ممتحنہ) —

یعنی اللہ تعالیٰ نے سورۃ ممتحنہ میں فرمایا ہی کہ اللہ تم کو منع نہیں کرتا اُن لوگوں سے جنہوں نے دین یعنی مذہب کے لئے تم سے لڑائی اور قتل و قتال نہیں کیا اور نہ تم کو تمہارے ملک سے نکالا ہی اس بات سے کہ تم اُن پر احسان کرو اور اُن کے ساتھ انصاف ہو تو بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہی، اللہ تعالیٰ صرف اسی بات کو منع کرتا ہی کہ جن لوگوں نے دین یعنی مذہب کے سبب تم سے لڑائی کی اور قتال کیا اور تم کو تمہارے ملک سے نکال دیا اور تمہارے قتال کو جو کیا اُس سے دوستی کرو اور جو لڑکی اُن سے دوستی کریں وہی ظالم ہیں —

اس آیت نے صاف پایا جاتا ہی کہ وجہ عداوت صرف مقاتلہ فی الدین ہی اور مقاتلہ فی الدین کی قید سے وہ تمام لڑائیاں جو خارجی ہو گئی ہیں جو مادی مقاصد کے سبب واقع ہوئی ہوں نہ مذہب عداوت کے سبب سے پس خدا کے حکم کے بموجب جنہوں نے مذہب کی وجہ سے لڑائی کی ہی صرف اُنہی سے دوستی رکھنی منع ہی — مرقوم نومبر سنہ ۱۸۷۸ ع

رکھنی واجب ہی ، اس واسطے ایمان کہ محبت کے واجب ہونیکا سبب ہی ہر شخص میں موجود ہی ، اور جس وقت کہ سبب موجوں ہو تو حکم کا موجود ہونا بھی واجب ہی ، قولہ تعالیٰ ، ”والمؤمنون والمؤمنات بعضهم اولیاء بعض“ یعنی مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں سب ایک دوسرے کے دوست ہیں ، اور قاعدہ مقررہ سے ہی کہ ایک چیز کا دوست رکھنے والا اُسی چیز کے دوست رکھنے والے کا بھی دوست ہی ، اور اُس دوست کا بھی دوست ہی ، اور اللہ تعالیٰ کو سب مسلمان دوست رکھتے ہیں اور اُسکی محبت سب مسلمانوں کے دل میں اوروں کی محبت سے سوا ہی ، ”قلہ تعالیٰ“ ، ”والذین آمنوا اشد حباً للہ“ ، یعنی جو ایمان لائے ہیں اُن کو اللہ تعالیٰ کی محبت بہت زیادہ ہی پس جس صورت میں کہ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو مطلق دوست رکھتا ہی تو لازم ہی کہ ہر مسلمان سب مسلمانوں کو دوست رکھے ، نہیں تو اللہ تعالیٰ کے دوست نہ رہے ، ”قولہ تعالیٰ“ ، ”اللہ ولی الذین آمنوا یخرجہم من الظلمات الی النور“ ، یعنی اللہ دوست ہی اُن کا جو ایمان لائے نکالتا ہی اُن کو اندھیرے سے روشنی میں ، ”وقولہ تعالیٰ“ ، ”ذلک بان اللہ ولی الذین آمنوا و ان الکافرین لامولیٰ لہم“ ، یعنی اللہ مولیٰ اور کارساز ہی اُن کا جو ایمان لائے اور کافروں کا کوئی مولیٰ نہیں ہی ، ”وقولہ تعالیٰ“ ، ”الذین آمنوا وعملوا الصالحات سیجعل لہم الرحمن ودا“ ، یعنی جو ایمان لائے اور اچھے کام کیئے کرے گا اللہ اُن سب میں دوستی ، اور کلام اللہ سے ثابت ہی کہ مسلمانوں کی دوستی کبھی صغیرہ اور کبیرہ گناہ سے جاتی نہیں رہتی ”قولہ تعالیٰ“ ، ”اذہمت طائفتان منکم ان تفتشلا واللہ ولیہما“ ، یعنی جب ارادہ کیا تمہارے دو گروہ نے کہ فامرد گی کریں اور اللہ اُن دونوں کا دوست ہی ، اور سب کے نزدیک اُن دونوں گروہ سے مراد بغو سلمان اور بغو حارث ہیں کہ اُحد کے دن کافروں کی لڑائی میں عبداللہ ابن ابی رئیس منافقین کے بیکانے سے لڑائی سے پہلے بھاگنے کا ارادہ کیا تھا اور یہ بات سب کے نزدیک گناہ کبیرہ ہی خصوصاً اُس جہاد میں کہ پیغمبر خدا اپنی ذات مبارک سے موجود ہوں ، اور بھاگنے میں آپ کے ہلاک ہونے کا اندیشہ بلکہ گمان ہو ، اور ابھی اسلام کے پڑھنے کا وقت ہو ، کہ اگر مدد میں اور لڑنے میں ذرہ سی تنصیر ہو تو بالکل جاتا رہے ، باوجود ان سب باتوں کے اللہ تعالیٰ نے اُن دونوں گروہوں کی دوستی سے ہاتھ نہیں اُٹھایا ، اور اُن کے تئیں مسلمان فرمایا کہ ، ”علی اللہ فلیتوکل المؤمنون“ ، یعنی چاہیئے کہ اللہ پر بھروسہ کریں مؤمن ، اور اس قدر محبت بسبب ایمان کے ضرور ہی ، اور جب کہ اچھے اچھے عمل جیسے جہاد کرنا اور موتدوں سے لڑنا اور توبہ اور طہارت اور برہنہ کاری اور اخلاق مسلمانوں میں ہوں تو بدرجہ اولیٰ اللہ تعالیٰ

کے محبوب ہونگے، قوله تعالى "ان الله يحب الذين يقاتلون في سبيله صفا كانهم بنيان" مرموص "یعنی اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے اُن کو جو خدا کی راہ میں صفا باندھ کر لڑتے ہیں جیسے بنیاد گچ کی ہوئی" قوله تعالى "يا ايها الذين آمنوا من يوفد منكم عن دينه فسوف ياتى الله بقرم يحبهم و يحبونه" یعنی اے وہ جو ایمان لائے جو تم میں سے پھر جاویگا اپنے دین سے تو لاویگا اللہ ایک قوم کو جنہیں وہ دوست رکھتا ہے اور وہ اُسکو دوست رکھتے ہیں، اور قوله تعالى "اللہ يحب التوابين منكم و يحب المتطهرين" یعنی اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے تم میں سے توبہ کرنے والوں کو اور طہارت والوں کو، وقوله تعالى "يحب المتقين" یعنی اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے پوہیز گاروں کو قوله تعالى "واللہ يحب المحسنين" اللہ دوست رکھتا ہے بھلائی کرنے والوں کو، *

پانچواں مقدمہ

محبت اور عداوت کے مسلمان اور کافر کے ساتھ جدا جدا مرتبہ اور الگ الگ درجے ہیں چنانچہ ہر عقل مند کے تئیں دنیا کی محبت میں جو اپنے عزیزوں باپ بیٹا بھائی چچا ماموں ماں بہن کے ساتھ ہوتی ہے یہ حال تفاوت اور اختلاف کا معلوم ہے اسی طرح دنیا کے دشمنوں میں عداوت کے قوی ہونے اور ضعیف ہونے اور اُس کے اسباب بہت ہونے اور تہرے ہونے کے سبب عداوت میں تفاوت اور اختلاف ہونا طبعی بات ہے، اسی طرح دین کی محبت کہ ایمان کے سبب سے ہے ایمان کے زیادہ ہونے اور قوی ہونے اور مسلمانوں کی محبوبیت اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں مختلف ہونے کے سبب مختلف ہونگے، اس صورت میں جو شخص کہ زیادہ تر محبوب ہے اُس کی محبت بھی زیادہ تر رکھنی چاہیئے، اور سب کے نزدیک دین کی محبت کا بڑے سے بڑا درجہ وہ ہے جو کہ جناب پیغمبر خدا کے ساتھ ہے، بعد اُس کے اُن مسلمانوں کے ساتھ جو پیغمبر خدا کے مقرب ہیں، اور وہ لوگ تین گروہ ہیں پہلا گروہ اولاد اور پیغمبر خدا کے رشتہ دار کہ پیغمبر خدا کے پارہ جگر ہیں اور اُن کے حق میں فرمایا ہے "احبو الله لما يقدوكم من نعمته و احبوني لاحب الله و احبوا اهل بيتي لاحب" یعنی خدا کو دوست رکھو کہ صبح شام تم پر اُس کی نعمتیں آتی ہیں اور دوست رکھو۔ مجھ کو خدا کی دوستی کی وجہ سے اور دوست رکھو میرے اہل بیت کو میری دوستی کی وجہ سے، دوسرے ازواج مطہرات کہ پیغمبر خدا کے اجزاء اور اعضاء کا حکم رکھتے ہیں اور خود اللہ تعالیٰ نے اُن کی شان میں فرمایا ہے کہ "النبی اولی بالمومنین من انفسهم وازواجه

اسحاقیم کہ نبی دوست زیادہ ہی مسلمان کو اُن کی جانوں سے اور اُس کے ازواج اُن کی مائیں ہیں، اور جتنے بنی آدم ہیں سب کا اسبب پر اتفاق ہی کہ ازواج بسبب کمال خلعت اور محبت کے ایک شخص کی مالد ہوتے ہیں، اسی واسطے شرح شریف میں سمجھانے کو حقیقی رشتہ داروں کی طرح محرمیت اور میراث میں گنا ہی، اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان دونوں کے تئیں ایک درجہ میں فرمایا ہی، ”هو الذي خلق من الماء بشرا فجعله نسبا وصهرا“ یعنی اللہ وہ ہی جس نے پانی سے آدمی کو بنا یا پس اُن میں کیا نسب اور سمانہانا، تیسرے گروہ پیغمبر خدا کے اصحاب ہیں کہ انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعت اختیار کی اور اُس کی مدد میں اپنی جان کو فدا کیا اور اپنے مال کو ضایع کیا اور اپنے بدن کو مشقت میں ڈالا اور اپنے خاندان اور اپنے عزیز بھائی بیتا باپ چورو ما بہن کو پیغمبر خدا کی خوشی کے واسطے چھوڑا چنانچہ اللہ تعالیٰ بھی اُن کے عملوں کی قدر دانی کر کے اُن کی شان میں فرماتا ہی، ”للفقراء المهاجرين الذين اخرجوا من ديارهم واموالهم يبتغون فضلا من الله ورضوانا وينصرون الله وسرراء اولئك هم الصادقون والذين تبوءوا الدار والايمه من قبلهم يحبون من هاجر اليهم ولا يجدون في صدورهم حاجة مما اوتوا ويؤثرون على انفسهم ولو كان بهم خصاصة“ یعنی اُن فقیروں کے لیئے جو نکالے گئے اپنے گھروں سے اور اپنے مال سے جبکہ وہ چاہتے ہیں خدا کا فضل اور رضامندی اور مدد کرتے ہیں اللہ کی اور اُس کے رسول کی وہ ہی ہیں سچے اور وہ جنہوں نے مرتبہ حاصل کیا گھر میں اور ایمان میں اُن سے پہلے دوست رکھتے ہیں جو اُن کے پاس ہجرت کر کے آیا ہی اور نہیں پاتے اپنے دل میں کچھ حاجت اُس کی جو اُن کو دی جاتی ہی اوروں کو ترجیح دیتے ہیں اپنی ذات پر اگرچہ اُن کو تنگی ہو، تمام عالم کے نزدیک ظاہر ہی کہ اس طرح کی محبت اور اخلاص اور قرب اور اتصال بہت بڑا ہی اُس سے جو صرف ایک نسبت ہو، کما قال القائل ”القوم اخوان صدق بينهم بسبب * من المودة لم يعدل به نسب“

اس صورت میں ان تینوں گروہوں میں، اور مسلمانوں کی نسبت محبت کے اسباب دو وجہ سے بہت ہیں پہلی وجہ ان لوگوں کے قرب اور منزلت پیغمبر خدا کے ساتھ کہ سب بنی آدم میں محبوبیت سے زیادہ تر مخصوص ہیں، دوسری وجہ ان تینوں گروہوں کے حق میں شریعت کے رواج دینے اور جہاد اور پڑھنے گاری میں بڑے سے بڑا درجہ ہوتا ہی ہاں ان میں سے اگر بعض لوگ ایسے ہوں کہ اُن میں ایمان نہ ہو یا ایسی علت کریں کہ جتنی اُن کی اگلی نیکیاں ہیں سب جاتی رہیں اور قرآن کی آیت کے بموجب عداوت واجب ہو جاوے اُن کی ساری قرب اور منزلت جو پیغمبر خدا کے ساتھ تھی جاتی رہے، اُسوقت البتہ

وہ لوگ اس حکم سے باہر ہیں جیسے ابو لہب اور مانند اُس کے اب ان بزرگوں کے ایمان اور عدم ایمان اور حبط عمل یعنی اُن کی سب نیکیاں اور اچھے اچھے عمل جاتے رہنے اور باطل ہو جانے میں تفتیش کرنی چاہیئے اور خواجه نصیر الدین کی تجرید العاید میں سے جو شیعوں کے ہاں بہت معتبر کتاب ہی ایمان اور کفر اور حبط عمل کا مسئلہ سفنا چاہیئے خواجه نصیر طوسی نے لکھا ہے ”الایمان التصدیق بالقلب“ یعنی ازروے اعتقاد ”واللسان“ یعنی ازروے اقرار کے ”بکل ما جاء به النبي صلى الله عليه وسلم و علم من دینه ضرورة ولا یکنی الاول“ یعنی تصدیق بدون اقرار ”لقوله تعالى واستیقظتها انفسهم“ والاثاني ”یعنی اقرار بدون تصدیق یہی کافی نہیں ہے ”لقوله تعالى قل لن تو منوا ولكن قولوا اسلمنا“ یعنی نہ کہو کہ ہم ایمان لائے بلکہ کہو کہ ہم نے تسلیم کر لیا اور یہہ بھی کہا ہے کہ ”الکفر عدم الایمان“ یعنی کفر نہونا ایمان کا ہی اور یہہ اشارہ ہی اس بات کا کہ درمیان ایمان اور کفر کے کچھ واسطہ نہیں اور معتزلہ کا یہی مذہب ہے ”امامہ الضداد بدوہ“ اور یہہ بھی کہا ہے ”والفسق الخروج من طاعة الله مع الایمان“ یعنی فسق خارج ہوتا ہے بندگی اللہ تعالیٰ سے ساتھ ایمان کے یعنی فسق گناہ کفر ہی منافی ایمان نہیں اور مسلمان فاسق ہو سکتا ہے اور یہہ بھی کہا ہے ”والنفاق اظهار الایمان باخفاء الکفر و الفاسق مومن مطلقا“ یعنی نفاق ظاہر کرنا ایمان کا ہی ساتھ چھپانے کفر کے اور فاسق مسلمان ہی مطلق یعنی دنیا اور آخرت کے حکم میں جیسے گاروا اور کفن دینا اور مغفرت کی دعا مانگنی اور صدقہ دینا اور تبرا اور لعنت کا حرام ہونا اور ایمان کے سبب محبت کا واجب ہونا اور جنت میں داخل ہونا گو عذاب کے بعد اور اُس کے حق میں پیغمبر کی شفاعت کا ہونا اور اس بات کا ممکن ہونا کہ اللہ تعالیٰ سب گناہ اُس کے بخشدے۔ ”لقوله عليه السلام اذا خرت شفاعتي لاهل الكبائر ولو جرد جده“ یعنی بسبب حضرت رسول اللہ کی اس حدیث کے مینے ذخیرہ کر رکھی شفاعت اپنی کبیرہ گناہ والوں کے لیئے اور نیز فاسق میں ایمان کی تعریف پائی جاتی ہے ”والکافر مخذول الفار و عذاب اهل الکبیرة ینقطع لاستحقاق الثواب بايمانه فمن يعمل مثقال ذرة خیرا یر و لقبه عند العقلاء والسمعیات متاملة ودوام العقاب مختص بالکافر والعفو واقع لانه حقہ تعالیٰ فجاز و قوعہ“ یعنی کافر ہمیشہ آگ میں رہینگے اور کبیرہ گناہ والوں کا عذاب منقطع ہو جاویگا بسبب استحقاق ثواب کے جو ایمان کی وجہ سے ہی پس جس نے کی ہی بقدر ذرہ کے نیکی اُس کو دیکھے گا اور نیز مومن فاسق کا ہمیشہ عذاب میں رہنا عقلا کے نزدیک بھی اچھا نہیں ہے اور جو سمعیات اس بارہ میں ہیں وہ تاویل کی گئی ہیں (کہ اُنکے ظاہری معنی

میراد نہیں ہی) اور ہمیشہ عذاب کا ہونا کافر ہی کے لیے خاص ہی اور عفو بھی ہو سکتا ہی اس لیے کہ وہ خدا کا حق ہی اس صورت میں خواجہ نصیر طوسی کے سارے کلم سے معلوم ہوا کہ فاسق پر لعنت کرنی اور اُس سے تبرا کرنا جائز نہیں ہی بلکہ اُسکی شان اور مسلمانوں کی شان کی مانند ہی کہ اُس کے واسطے مغفرت کی دعا کریں اور صدقہ دیں تاکہ عذاب سے چھوٹے اور بخشش اور رسول خدا کی شفاعت کی امید اُس کے حق میں رکھنی چاہیئے، اور جب تک کہ اُس میں ایمان موجود ہی اُس کی محبت واجب اور عداوت اُس کی دین کے سبب حرام، اس واسطے کہ تبرا اور برا کہنا اُس وقت دوست ہوتا ہی کہ اُس شخص میں کوئی وجہ محبت کی موجود نہ ہو، اور جب تک کہ آدمی کافر نہ مرے تب تک یہ بات نہیں ہوتی، اور کافر ہونے میں اچھے عملوں کا اعتبار نہیں رہتا، اور فاسق ہونے اور گناہ کی پرہ کرنے سے اُس شخص کی ذات سے تبرا جائز نہیں، ہاں اُس کے فسق اور گناہ گاری سے تبرا ہونا اور برا جاننا چاہیئے، اور خواجہ نصیر نے تجرید میں یہ بھی کہا ہی ”والاحباط باطل لا استلزامہ الظلم و لقولہ تعالیٰ فمن يعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ“ یعنی عمل نیک کا حبط کرنا باطل ہی اس سے ظلم لازم آتا ہی اور نیز خدا تعالیٰ نے فرمایا ہی کہ جو کریما بولائی بقدر ذرۃ کے تو پاریما، پس جب تک کہ کسی شخص کا کفر متحقق نہ ہو اُس کے عمل حبط نہیں ہو سکتے *

۱۰۰

باقی ادراقی اس ترجمہ کے دستیاب نہیں ہوئے

دو:دو

خود مترجم کا لکھا ہوا

مورخہ نومبر سنہ ۱۸۷۸ ع

ان دنوں بابوں کے اخیر اوراق جب بعد تلاش کے بھی دستیاب نہ ہوئے تو، اول یہ ارادہ ہوا کہ اُن کا ترجمہ پورا کر دیا جاوے، مگر اس وجہ سے کہ حال کے خیالات اور پیچھے خیالات میں خلط ملط نہو جاوے، اس ارادہ کو چھوڑ دیا اور جس قدر ترجمہ دستیاب ہوا اُس قدر چھاپا گیا *

مذہب اہل سنت و جماعت اور شیعہ اثنا عشریہ میں جو مباحث افضلیت اور استحقاق خلافت خلفاء اربع کے ہیں، اور مذہب خوارج میں جو عقائد ختین و اہل بیت کی نسبت، اور مذہب فواصب میں علی مرتضیٰ و اہل بیت کی نسبت ہیں، اُن سے زیادہ لغو و بیہودہ مباحث و عقائد کوئی نہیں ہیں، استحقاق خلافت آنحضرت صلعم کا من حیث النبوة کسیکو بھی نہ تھا، اسلیئے کہ خلافت فی الذبوة تو مہالبت سے ہی، باقی رہ گئی خلافت فی إبقاء ملاح امت و اصلاح تمدن، اُس کا ہر کسی کو استحقاق تھا جس کی چل گئی وہی خلیفہ ہو گیا — خلافت بعد آنحضرت کوئی امر منصوص نہ تھا، نہ کسی کی شخص خاص کی خلافت مذہب اسلام کا کوئی جزو یا کوئی حکم تھا، سیاست مدن کا جو طریقہ اُس وقت پڑ گیا تھا وہ سلطنت جمہوری کے نہایت مشابہ تھا، اور اسطرح واقع بھی ہوا، یعنی جس کو بہت سے ذی اقتدار لوگوں نے تسلیم کر لیا وہی خلیفہ ہو گیا، کون کہہ سکتا ہی کہ ابتدائی سے علی مرتضیٰ کو خلیفہ ہونے کا خیال نہ تھا، اور تینوں مقدم خلفائوں کے زمانہ میں اُن کو اُنکے خلیفہ نہ ہونے کا افسوس یا اپنے خلیفہ نہ ہونے کا رنج نہ تھا، مگر علی مرتضیٰ کی خواہش زیادہ تر سلطنت شخصی کے مشابہ تھی، جو اُس وقت کے طریقہ تمدن کے موافق نہ تھی، اور اسی لیئے اُن کی خواہش پوری نہ ہوئی، جب ایسا وقت آگیا کہ ذی اقتدار لوگوں نے اُن کی طرف رجوع کی وہ خلیفہ ہو گئے، نہ مقدم خلیفہ ہونے میں کوئی وجہ افضلیت تھی، نہ مؤخر خلیفہ ہونے میں کوئی وجہ ملکہات، یہ

تمام واقعات اسی طرح پر واقع ہوئے تھے جیسیکہ ہمیشہ دنیا میں واقع ہوتے ہیں ، اسلام سے ان واقعات کو کچھ تعلق نہ تھا ، کسی کو غاصب اور کسی کو برحق بلا فضل کہنا لغو بائیں ہیں *

افضلیت کے مسئلہ کے مباحث اُس سے زیادہ بیہودہ ہیں ، دو چیزوں میں ایک کو افضل ٹھہرانا اس بات پر موقوف ہے کہ اُن میں ایک ہی حیثیت ہو ، ایک سسر ایک داماد ایک بھائی ، ایک غیر ، آپس میں حیثیت ہی متحد نہیں ، یہو افضلیت و غیر افضلیت کیسی ، اعمال اور تقرب الی اللہ کے تول لینے کو ہمارے پاس کوئی ترازو نہیں جس سے ہم ایک کو ہلکا ایک کو بھاری ٹھہراویں ، ہم جس بات کا فیصلہ کرسکتے ہیں وہ صرف تاریخی واقعات ہیں ، کہ اُن چاروں بلکہ پانچوں بزرگواروں کے زمانہ خلافت کس طرح گذرے — حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ خلافت تو شمار کرنا نہیں چاہیئے ، کیونکہ درحقیقت وہ زمانہ بھی حضرت عمر ہی کی خلافت کا تھا ، اور وہی بالکل دخیل و منتظم نہ — حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ ، کیا بنظر انتظام ، اور کہا بنظر فتوحات و امن و حکومت و رعب و داب جو ابقاء صلاح امت و اصلاح تمدن کے لیئے ضرور تھا ، ایک بے نظیر زمانہ تھا — حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں جو کچھ ہوا وہ صرف حضرت عمر کے زمانہ خلافت کا اثر تھا ، اصلی زمانہ خلافت حضرت عثمان اُن کی خلافت کا اخیر زمانہ تصور کرنا چاہیئے ، جس میں تمام اصول سیاست مدن اور وہ اصول سلطنت جمہوری جس پر اس عالیشان محل کی بنیاد قائم ہوئی تھی ، سب کی سب سست اور بڑھم بڑھم ہو گئی تھی ، اور غدر کا ہونا اُس کا ایک ضروری نتیجہ تھا جو ہوا — حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام تک جب خلافت پہنچی ، تو ایسی ابترا و خراب ہو گئی تھی جس کا درست ہونا اگر نا ممکن نہ تھا تو قریب قریب نہ ممکن کے تھا ، اُس کی اصلاح میں جہاں تک ممکن تھا کوشش کی گئی ، مالک دینے گئے دوسری حکومتیں تسلیم کی گئیں مگر اصلاح نہ ہوئی ، اور روز بروز خرابی بڑھتی گئی — حضرت امام حسن علیہ السلام جب خلیفہ ہوئے ، تو انہوں نے تمام حالات اور واقعات پر غور کر کے یقین کیا کہ اس کی اصلاح ممکن نہیں ، صرف ایک ہی علاج امت کی اسایش اور قتل و خونریزی اور فساد دور کرنے کا ہے ، کہ اس نو عملی سے یکسوئی کی جاوے ، انہوں نے نہایت دائمی اور نیکی اور امت کی بھلائی کی نظر سے ، جسکی نظائر دنیا میں نہیں ہی ، خلافت سے ہاتھ اوتھایا ، درحقیقت یہ کام حضرت امام حسن ہی سے کریم النفس شخص سے ہو سکتا تھا ، جس نے

امت کے امن کے لئے ایسی خلافت کو چھوڑ دیا ، جس کے سامنے سلطنت قیصر و کسری کی بھی کچھ حقیقت نہیں تھی •

مطالعن صحابہ پر بحث کرنا ایک ایسا لغو اور بیہودہ اور جھوٹا کام ہی جس کی برابر دنیا میں دوسرا فالاق کام نہیں ہی — نہ ہمارے پاس صحیح صحیح واقعات موجود ہیں جو یقین کے لائق نہیں — اور اگر بالفرض واقعات بھی ہوں تو وہ کفایت اور حالات جن پر باہم صحابہ کے مشاجرات واقع ہوئے ہرگز ہماری آنکھ کے سامنے نہیں ہیں ، پس جو لوگ صحابہ کے مطالعن پر بحث کرتے ہیں وہ بلا کافی شہادت اور بلا موجودگی روئندان کے اپنا فیصلہ قائم کرتے ہیں — علاوہ اس کے انسان سے غلطی اور خطا کا واقع ہونا خصوصاً ایک ایسی بڑی سلطنت کے انتظام میں جو صحابہ کے ہاتھ میں تھی ، ایک ایسا امر ہی جو ناگزیر ہی ، صحابہ معصوم نہ تھے ، اگر بالدرض اُن سے غلطیاں واقع ہوئیں تو کیا آفت ہوئی ، اور کیوں وہ بڑی سمجھی جاویں ، اگر اُنہی روایتوں پر جو موجود ہیں نکتہ چینی کا مدار ہو ، تو اُس نکتہ چینی سے نہ حضرت علی مرتضیٰ بچتے ہیں نہ خلفائے ثلاثہ ، اور ہم تو باوجود تسلیم کر لینے اُن تمام نکتہ چینوں کے ، جو خوارج و نواصب اور شیعہ اُن بزرگوں کی نسبت پیش کرتے ہیں ، اُن میں سے کسی بزرگ کو برا اور بد خیال نہیں کرتے ، وہ تمام واقعات ایسے ہی ہیں جو دنیا میں ہمیشہ پیش آتے ہیں ، وہ ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں اُن سے نہ اُن بزرگوں کی بزرگی میں کچھ نقصان لازم آتا ہی اور نہ مذہب اسلام کو اُن واقعات سے کچھ تعلق ہی •

ہاں تبنا جس کا رواج اُن شیعوں میں ہو گیا ہی جو نا مذہب ہیں نہایت خراب چیز ہی ، اور انسان کے دل میں ایک بدی اور بد اخلاقی اور بد طبعی پیدا کرنے والا ہی ، جو اسلام کے مقصد اعلیٰ کے برخلاف ہی — میری یہ رائے ہی کہ جو امور مذہب اسلام سے علائق رکھتے تھے وہ آنحضرت صلعم کے بعد ختم ہو گئے ، اور جو واقعات اُن کے بعد ہوئے اُن کو مذہب اسلام سے کچھ تعلق نہیں ہی ، نہ وہ مذہب اسلام کے جزو ہیں ، نہ اشد ان لا الہ الا اللہ و اشہدان محمد رسول اللہ کے بعد اشد ان ابابکر الصدیق اول خلیفہ رسول اللہ کہنا ہمارا جزو ایمان ہی اور نہ اشدان علیا ولی اللہ وصی رسول اللہ و خلیفہ بلا فصلہ ماننا ہمکو ضرور ہی ، بلکہ اسلام کے لئے پہلے ہی دو تشہد کافی ہیں •

كلمة الحق

بسم الله الرحمن الرحيم

کلمۃ الحق

مؤلفہ سنہ ۱۲۶۹ ہجری مطابق سنہ ۱۸۴۹ ع

دل در طلب ماہ رخت شیدائی است * وز لکھت تار کاکلت صحرائی است
در مہر تو چوں زخویش رقتم چہ زیباں * زین طعنہ کہ خلق گویدم سودائی است
اللہم صل علی محمد و علی آل محمد و بارک و سلم ، الہی تو اپنے اور اپنے حبیب
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی صحبت نصیب کر اور انہیں کی سنت پر جلا
اور انہیں کی سنت پر مار آمین یا رب العالمین ، اما بعد یہ کلمۃ الحق ہے اختیار پیری اور
مریدی کے بیان میں ہماری زبان سے نکلتی ہے ، کیونکہ ہمارے زمانہ میں پیری مریدی کا
ایسا ایک جھگڑا لگا ہے جسکے سبب ہزاروں آدمی دھوکے میں پڑے ہیں ، جہاں ایک
نئی صورت کا آدمی دیکھا کوئی تو اُسکو قطب کہتا ہے اور کوئی ابدال و لی اور کوئی ولی اور
کوئی غوث اور پھر وہ کیسی ہی باتیں کرتا ہو اُس پر کچھ خیال نہیں کرتے ، اگر کوئی
فہم کہ میل یہ تو شرع کے برخلاف باتیں کرتا ہے تو یوں جواب دیتے ہیں کہ اچھی تم
نہیں جانتے طریقت کا اُڑ رہے ہیں ، فقیروں کی باتیں ہی جدا ہیں ، شریعت تو
ظاہر کے لیئے ہے ولی اللہ کے ہیں جو کریں سو بجا ہے ، اور یہ نہیں جانتے کہ اللہ
کی راہ نبی کی اطاعت بغیر ملتی ہی نہیں (بیت)

دریں راہ جز مرد راعی نرفت * کم آن شد کہ دنبال داعی نرفت
جو ذرا بھی شریعت کی راہ سے ہٹتا دھڑا رہا ہو ، اگر کوئی آسمان پر اُڑے اور زمین میں
گھسے اور ایک بال بھر شریعت سے پھرا ہو وہ گمراہ ہے ، ولی و ابدال غوث اور قطب ہونا
کچھ کوشش اور کرامات دکھانی نہیں ہے ، بھوت اور پلیٹ دیو جن نت اور بھامتی بھی
بہت سے شعبہ اور تماشے دکھاتے ہیں ، ولی و ابدال غوث و قطب وہی ہے جو پورا پورا
شریعت پر چلے قال اللہ تعالیٰ ” قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ یعنی اللہ
صاحب نے سورۃ آل عمران میں فرمایا کہ اے نبی تو کہہ دے کہ اگر تم اللہ کو چاہتے ہو
تو میری راہ چلو کہ اللہ تمکو چاہی و اس آیت سے معلوم ہوا کہ آدمی کیسی ہی

عبادت اور بندگی کرے مگر اللہ اُسکو جب ہی دوست رکھتا ہی جب شریعت معصومہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا تابع ہو جاوے، دیکھو جو کئی بیواگئی اتیت اور فقیر کیسی کیسی مستحقین کرتے ہیں اور مصیبتیں بھگتے ہیں اور جوگ اُگھاتے ہیں مگر جب شریعت کے برخلاف ہیں تو سب اُکارت ہی، اور شریعت کی تابعداری یہی ہی کہ جر اللہ اور اللہ کے رسول نے کہا اُسکو کیا اور جس سے منع کیا اُسکو نہ کیا قال اللہ تعالیٰ "و ما اتیکم الرسول فخذوه و ما نہکم عنہ فاجتنبوا" یعنی اللہ صاحب نے سورہ حشر میں فرمایا اور جو دے تمکو رسول وہ لیتا اور جس سے منع کردے وہ مت کرو فہ یعنی رسول نے جو حکم تمکو پہونچالے ہیں اُن کو قبول کر دو اور جو کسوں سے منع کر دیا ہی اُن کو مت کر دو کہ یہی شریعت کی تابعداری ہی، اور بڑا تابعدار شریعت کا وہی ہی کہ ہر بات میں جو اُس کے سامنے آوے غور کرے کہ اس میں اللہ اور اللہ کے رسول کا کیا حکم ہی جو حکم ہو وہی کرے اور پھر جی میں مائل نہ لائے قال اللہ تعالیٰ "لا وریک فی مملوک حتی یسکدوک فیما شجرت بینہم ثم لایتجدوا فی انفسہم خرچہ نما لخصیت و یسلموا تسلیمًا" یعنی اللہ صاحب نے سورہ نساء میں اپنے رسول کو فرمایا کہ پیڑے پرورنگار کی قسم اُن کو ایمان نہ دے جب تک کہ آپس کے جھگڑے میں تجھی کو حاکم نہ بدلیں پھر گواہیں اپنے دل میں تیزے انصاف سے کچھ بھی مائل اور اُس کو مان لین ٹھیک جان کو فٹ اس آیت سے معلوم ہوا کہ پورا ایمان جب ہی ہوتا ہی جب سب کلم شریعت کے سپرد کردے اور جو اُس میں حکم نکالے خدا پختہ ہی ہو کر قبول کرے اور یوں جاتے کہ یہی حق ہی اور یوں ہی ٹھیک، "عن عبداللہ ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یؤمن احدکم حتی یکون ہواۃ تبعًا لما جئت بہ" یعنی منکر وہ شریعت کے باب الاعتصام بالستہ میں عبداللہ ابن عمر سے حدیث نقل کی ہی کہ تمہوں نے یہ بات کہی کہ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی تم میں سے مستملن نہیں ہوتا جب تک کہ اُسکا ارمان شریعت کے تابع نہ ہو فہ یعنی اُس کی خواہش شریعت ہی ہو جاوے اور اُسکو یہی ارمان ہو کہ جو شریعت میں ہی وہی کروں اور جب شریعت کا حکم بجا لائے تو یوں جاتے کہ میرے دل کا بڑا ارمان نہ کیونکہ وہ تو شریعت کو دل سے چاہتا تھا جب پورا مسلمان ہوتا ہی فہ یہ کہ ایک کام کرنے کو تو اپنا دل چاہتا ہو اور خواہ لشکر و گھوڑے نان کر اسکو شروع میں لڑے اور کچھ کہ اگرچہ حضرت کے وقت میں یا حضرت کے خاص لوگوں کے وقت میں تو نہ تھا مگر اُس میں کیا قدامت ہی اُسکو تو قلاتے بزرگ نے کیا ہی اور بڑے بڑے مشائخ کرتے آئے ہیں، کیونکہ ایسی باتیں کہنی اور کرنی شریعت کی تابعداری نہیں ہی بلکہ

شریعت کو اپنے نفس کا تابع بنانا ہی، خدا ہذا میں رکھے اس بات سے حضرت کی شریعت پر عمل کرنا اور آپ کی سنت پر چلنا یہ تو بہت بڑے درجہ کی بات ہی حضرت کی سنت تو ایسی نعمت ہی کہ اگر کوئی اُسکو دوست ہی رکھے تو دونوں جہان کی نعمت اُسکو ملتی ہی، عن انس قال قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من احب سنتی فقد احبنی و من احبني کان معي فی الجنة " یعنی مشکوٰۃ شریف کے باب الاعتصام بالسنة میں حضرت انس سے ایک بڑی حدیث نقل کی ہی کہ اُسکا یہ تکرار ہی اور اس حدیث میں جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت انس کو کمال شفقت سے بیٹا خطاب کر کر فرمایا ہی کہ اے میرے بیٹے جس نے میری سنت کو دوست رکھا اُسنے بیشک مجھکو دوست رکھا اور جس نے مجھکو دوست رکھا وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا و اے مسلمانوں ذرا غور کرو کہ اگر اس مع کے لفظ پر ہزار جان نثار کی جاوے تو یہی کم ہی رسول اللہ کے ساتھ جنت میں ہونا ایسی بشارت ہی کہ قسم اُس خدائے لایزال کی جس نے دونوں عالم پیدا کیئے کہ اگر دونوں عالم اُس کے مقابل کچھ بھی حقیقت رکھتے ہوں، کیا اچھے نصیب اُس کے کہ جسکو حضرت کا ساتھ نصیب ہو افسوس تم کہیں بہتکتے پھرتے ہو جو نعمت ہی وہ حضرت ہی کی سنت میں ہی، واللہ اور کسی میں نہیں کسی میں نہیں کسی میں نہیں، پھر آدمی کو لازم ہی کہ حضرت ہی کی سنت پر چلے اور شریعت ہی کی اطاعت کرنے پر سعی کرے اور جو حضرت کی شریعت اور حضرت ہی کی سنت اور شریعت پر چلتا ہو اُسکو پیر اور ولی اور ابدال اور غوث اور قطب جانے اور جو حضرت کی شریعت سے باہر ہو اُسکو شیطان سے بدتر جانے گو وہ زمین میں تیرتا ہو اور آسمان پر اورتا ہو اور صحابہ کا یہی حال تھا کہ جو کوئی کیا عادت میں اور کیا عبادت میں اور کیا ذکر میں اور کیا فکر میں ایک سرمو بھی سنت کے خلاف کرتا تھا اُسکو بہت ہی برا جانتے تھے فی شرع الاسلام وقد کانت الصحابة رضی اللہ عنہم یذکرون اشد الانکار علی من احدث امرا او ابتدع رسالہ لم یعهد فی عہد المدینۃ قل ذلک او یثر صغر ذلک او کبر کان فی المعاملۃ او فی العبادۃ او فی الذکر، یعنی شرع الاسلام میں یہ بات لکھی ہی کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نہایت برا جانتے تھے اُس شخص کو جو نئی بات نکالتا تھا یا نئی رسم شروع کرتا تھا جو حضرت کے وقت میں نہ تھی خواہ وہ نئی بات تھوڑی ہوتی تھی یا بہت بڑی ہوتی تھی یا چھوٹی اور خواہ دنیا کے معاملوں میں ہوتی تھی خواہ دین کے خواہ اللہ کی یاد کرنے میں و اب خیال کرو کہ جب صحابہ عبادت کرنے اور اللہ کی یاد کرنے میں بھی نئی بات کو برا جانتے تھے تو پھر اگر کوئی شخص نئی باتیں خلاف سنت رسول اللہ کے نکالے اور

انکو عبادت جانے اور یوں کہہ کہ خدا اسی سے ملتا ہی تو بالکل جھوٹا ہی اور منکار ، خدا کے ملنے کو سوائے سنت رسول اللہ کے اور کوئی رستہ ہی نہیں ” عن عبد اللہ ابن مسعود قال خط لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطا ثم قال هذا سبیل اللہ ثم خط خطوطا عن یمینہ و عن شمالہ و قال هذا سبیل علی کل سبیل منها شیطان یدعو الیہ و قرأ و ان هذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ“ یعنی مشکوۃ شریف کے باب اعتصام بالسنتہ میں عبد اللہ ابن مسعود سے حدیث نقل کی ہی کہ انہوں نے یہ بات کہی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیئے ایک سیدھا خط کھینچا اور فرمایا کہ یہہ تو اللہ کا رستہ ہی ، پھر اُسکے دائیں بائیں خط کھینچے اور فرمایا یہہ اُور رستے ہیں ان میں سے ہر رستہ پر شیطان ہی کہ اُسکی طرف بلا تا ہی اور کلام اللہ کی اہمیت پڑھی جیسا کہ یہہ ترجمہ ہی ، ” اور اس میں کچھ شک نہیں کہ یہہ میری راہ سیدھی ہی پھر اُسی پر چلو اور اُور رستوں پر مت جاؤ ناکہ اُسکی راہ سے نہ بھٹکو“ ” و اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وہ راہ جس سے خدا ملتا ہی وہ رسول اللہ کی ہی سنت ہی ، اور اُسکے سوا سب راہیں شیطان کی ہیں ، ان آیتوں اور حدیثوں کی نقل کرنے سے ہمارا مقصود صرف اتنا ہی کہ ہر مدارِ سداہری کو تم پیر مت ہڈاؤ اور اُس کے کرشمہ اور کراہت پر مت جاؤ ، بلکہ جو شخص سنت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کا تابع ہو اُسکو ولی اور غوث اور قطب اور ابدال سمجھو ، گو اُس سے ایک بھی کراہت نہ ہو ، کیونکہ کراہت ہونا ولی ہونے کی نشانی نہیں ، بلکہ رسول اللہ کی سنت اور شریعت کا تابع ہونا ولی ہونے کی علامت ہی ، مطلب ساری تقریر کا یہہ ہی کہ پیر وہی ہی جو سر سے پاؤں تک سنت میں گویا ہوا ہو ، نہیں تو خاک بھی نہیں ، ان باتوں کو سنکر بعضے لوگ یوں کہتے ہیں کہ ہاں یہہ بات تو تم سچ کہتے ہو کہ جو کچھ ہی وہ شریعت اور سنت ہی ہی ، مگر فقہروں کی اور ولہوں کی بعضی باتیں ایسی ہیں کہ جب تک وہ نکرے دل صاف ہی نہیں ہوتا اور ولایت حاصل ہی نہیں ہوتی ، اور اللہ کے دربار میں خاص مرتبہ ملتا ہی نہیں ، اور نرا شرع پر چلنے سے تو ملانے کا ملانا ہی رہجانا ہی ، اور دل صاف نہیں ہوتا ، یہہ کہنا اور سمجھنا پوری گمراہی ہی ، کیونکہ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی آخر الزماں ہیں اب اور کوئی نبی نہیں ہونے کا ، اور نہ اور کوئی شریعت اُترے گی ، پھر اگر اس شریعت سے بھی اللہ نہ ملیگا اور دل صاف نہ ہوگا تو پھر کس سے ملیگا اور کاشے سے ہوگا ، بلکہ جو شخص یوں سمجھے کہ مرید ہوئے بغیر اور پیر کی صحبت اُٹھائے بغیر اور جو ذکر کے طریقہ چاروں سلسلوں میں ہیں اُس طرح پر ذکر اور شغل کرتے بغیر ، صرف شریعت محمدیہ صلی اللہ

علیہ وسلم پر چلنے اور قائم رہنے سے دلچسپی کا رتبہ اور اللہ کے دربار میں خاص مرتبہ حاصل
 لیں گے، تو اُسے گویا متعدد رسول اللہ کی اچھی طرح تصدیق نہیں کی، کیونکہ متعدد
 رسول اللہ کی تصدیق کے تو بھی معنی ہیں کہ دل سے ہوں ہی جانے کہ جو حضرت کا بتایا
 ہوا رستہ ہی رہی سیدھا اور سچا ہی، اور اُسی سے سب مرتبہ غریب اور قطب اور ابدال
 کے حاصل ہوتے ہیں، مگر صرف متعدد رسول اللہ کی شریعت اور سنت پر چلنے سے دونوں
 جہان کی نعمت ملتی ہی، نہ کسی پیر کی حاجت نہ کسی فقیر کی، اور نہ کسی نئے ذکر
 کی درکار اور نہ کسی قلم شغل کی، جو ہمارے حضرت نے ہم کو بتا دیا ہی وہی کافی ہی
 ”حسبنا کتب اللہ وسنت رسولہ“ یعنی ہم کو کلام اللہ اور سنت رسول اللہ ہی بس ہی، ہمارا
 دین تو پورا ہو چکا ہی اب اس میں نہ بڑھانے کی حاجت اور نہ گھٹانے کی درکار، قال اللہ تعالیٰ
 ”ایوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا“ یعنی اللہ صاحب نے
 صوۃ مودۃ میں فرمایا کہ اب پورا کر دیا میں نے تمہارے دین تمہارا اور پوری کر دی
 میں نے تمہاری اپنی نعمت اور پسند کیا میں نے تمہارے دین مسلمانانہ، پس اس آیت
 سے معلوم ہوا کہ اب ہمارا دین پورا ہو چکا قیامت تک اس میں گھٹنے بڑھنے کا نہیں، قال
 فی التفسیر النیشاپوری ”و فی آخر زمان البعثة حکم ببقاء الاحکام علی حالها من غیر نسخ
 و بزيادة و نقص الی ایوم القیامة“ یعنی تفسیر نیشاپوری میں یہ بات لکھی ہی کہ جب
 زمانہ نبوت کا اخیر ہونے کو ہوا تو اللہ صاحب نے حکم کیا کہ یہ شروع کے احکام جیسے ہیں
 ہمیشہ ویسے ہی رہیں گے، قیامت تک نہ اس میں سے کچھ ود و بدل ہوگا اور نہ کم زیادہ،
 پھر اگر کوئی شخص نئی نئی باتیں نکالے اُنکی کچھ اصل نہیں، کیونکہ شروع کے جہوں کے
 توں قیامت تک رہنے کا اللہ صاحب نے وعدہ کیا ہی، اور اسی آیت میں اللہ صاحب نے
 فرمایا ”و اتممت علیکم نعمتی“ یعنی پوری کر دی میں نے تمہاری اپنی نعمت اس سے معلوم ہوا
 کہ اللہ کی جو نعمت ہی وہ شریعت محمدیہ ہی میں پوری ہوئی ہی، پھر جو کوئی
 اُس پر چلیگا اُسکو یہ نعمت ملیگی اور جو نہ چلیگا اُسکو نہ ملیگی اور جو تھوڑا چلیگا
 اُسکو تھوڑی ملیگی اور جو بہت چلیگا اُس کو بہت ملیگی، اب یہ خیال کرنا کہ جیتک
 مویہ نہ ہو اور مشایخوں کی طرح ذکر و شغل نہ کرے اُس کو اللہ کی نعمت اور اُسکے دربار
 میں مرتبہ نہیں ملتا، بالکل غلط ہی، اللہ کی نعمت شریعت محمدیہ ہی جو
 اُس پر چلیگا خواہ پھر ہو خواہ مویہ خواہ پڑھا ہو، خواہ جوان خواہ جواہر ہو خواہ
 پھر زادہ خواہ شیخ ہو خواہ سید خواہ مغل ہو خواہ پتھان اُسی کو ملیگی، اور یہ بھی
 بیان ہے کہ اللہ کی نعمت سے دین کا پورا ہونا اور اللہ کی راہ کی ہدایت ہونی مراد ہی،

فی التفسیر النیشاپوری ” اتممت علیکم نعمتی ای بذلک الاکمال لانه لا نعمۃ اتم من نعمۃ الاسلام ” یعنی تفسیر نیشاپوری میں اتممت علیکم نعمتی کے یہاں معنی لکھ ہیں کہ اللہ صاحب نے یوں فرمایا ہے کہ دین کے پورا کرنے سے میں نے اپنی نعمت تم پر پوری کر دی ہے کورنہ دین کی نعمت سے بڑا کر کوئی نعمت نہیں ” و فی التفسیر البیضاوی ” و اتممت علیکم نعمتی بالهدایۃ والتوفیق او بکمال الدین ” یعنی تفسیر بیضاوی میں اس آیت کے یہاں معنی لکھ ہیں کہ اللہ صاحب نے یوں فرمایا کہ ہدایت اور توفیق دینے اور دین کے پورا کرنے سے میں نے اپنی نعمت تم پر پوری کر دی ہے اور جنہر اللہ صاحب نے اپنی نعمت پوری کی ہے وہ نبی اور ولی ہیں ” کیونکہ سب تفسیر والوں نے التمسد کی تفسیر میں اتممت علیہم کے یہی معنی لکھے ہیں ” کہ جنکو اللہ نے نعمت دی ہے وہ نبی ہیں اور صدیق اور شہید اور ولی ” اب اس سے معلوم ہوا کہ شریعت محمدیہ اللہ کی نعمت ہے ” اور جو اس پر چلتا ہے اُس کو یہ نعمت حاصل ہوتی ہے ” اور جسکو یہ نعمت حاصل ہوتی ہے وہ ولی ہوتا ہے یا صدیق یا شہید کچھ پیر و پیرزادہ ہونے پر موقوف نہیں ” اللہ صاحب نے خود ہی فرمایا ہے ” ان اولیائہ الامتقون ” یعنی انہیں اولیا اُسکے مگر متقی لوگ ” ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء ” یعنی یہ اللہ کی رحمت ہے جسکو چاہے دے ” شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی قول جمیل میں لکھا ہے ” کہ کوئی یوں نجانے کہ ان صوفیہ کے اشغال بغیر خدا ملتہی نہیں ” بلکہ صحابہ اور تابعین نے نمازیں پڑھتے ہوئے اللہ کے دربار میں عاجزی کر کر اور سوج کر یاں رکھ کر اور جن باتوں پر اللہ صاحب نے ثواب کا وعدہ کیا ہے اور جنہر عذاب دینے کا اقرار کیا ہے اُن کا دھیان رکھ کر اور کلام اللہ پڑھ پڑھ کر اور اُس کے معنوں میں غور کر کر اور جن ہدایتوں سے مسلمان کا دل نرم ہوتا ہے اُنکو سن کر یہ مروت حاصل کیجئے ” اے مسلمانوں اب تم اپنے دل میں سوچ لو کہ جو بات حضور نے اپنے صحابہ کو بتائی اور جسکی بدولت صحابہ اس مرتبہ کو پہنچے اُسکو اختیار کرنا بہتر ہے یا کسی نئی بات کو ” سچی بات سب کو کڑی لگتی ہے ” ان سچی سچی باتوں کو سن کر بعض لوگ یوں کہتے کہ لو صاحب یہ تو پوروں سے پھرے ہوئے ہیں ” اور معتزلیوں کو سی باتیں کرتے ہیں ” اور اگلے پیروں پر طعنہ مارتے ہیں ” اور اُن کے وظیفوں کو برا جانتے ہیں ” نعوذ باللہ منہ ” یہ ہمارا اعتقاد نہیں ” ہم نہ کسی پر طعنہ مارتے ہیں اور نہ کسی کے وظیفہ کو برا جانتے ہیں ” مگر اتنی بات بے شک کہتے ہیں ” کہ کیسا ہی بڑا پیر ہو اُس کی باتیں جو شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے موافق ہیں اُنکو اپنے سر اور آنکھوں پر رکھتے ہیں ” اور اُس شخص کو اپنا سرتاج سمجھتے ہیں ” اور جو باتیں اُسکی شرع کے برخلاف ہیں اُن باتوں کو چھینچ

گوزی کی برابر بھی نہیں جانتے ، کیونکہ ہم تو مستند رسول اللہ کے آگے کسیکا وجود ہی نہیں جانتے ، پھر جو کوئی حضرت کی شریعت کے مخالف کہیگا یا کریگا ہم تو اسکو غلط ہی سمجھیں گے ، نہ اُس کے پیر ہونے کا خیال کریں گے اور نہ پیر زادہ ، اور نہ اخوند ہونے کا دعویٰ رکھیں گے اور نہ اخوند زادہ ، الہی تو ہمکو اپنے حبیب کی سنت پر قائم رکھے اور انہیں کی سنت کا اتباع نصیب کر اور ہماری زبان سے حق بات نکلوا اور ملامت کرنے والوں کی ملامت سے دہشت ندے ، آمین یا رب العالمین ، اب تعنے پیر کے معنی تو سمجھے اب مرید ہونے کے معنی سمجھو ، کہ اگر مرید ہونے سے دنیا گھسیٹنی ہی ، اور خانقاہ بنا کر تہذوت کروانی ہی ، تو وہ بات تو چدا ہی ، اور اگر خدا کا ملنا چاہتے ہو تو وہ تو بغیر سنت رسول اللہ کے ملنا ہی نہیں ، پھر دیکھو کہ سنت رسول اللہ میں مرید ہونا پایا جاتا ہی یا نہیں ، اگر پایا جاتا ہو تو اسی طرح مرید ہو جس طرح حضرت مرید کرتے تھے ، کچھ زیادتی کی اپنی طرف سے مت کرو ، کیونکہ جو باتیں سنت ہیں ، وہ جب ہی تک سنت رہتی ہیں کہ جس طرح حضرت نے کیا ہی اسی طرح جوں کا توں سنت سمجھ کر کرے ، اور اگر اُس سے ایک سو مو بھی خلاف کیا تو وہ حضرت کی سنت فرہی ، بلکہ اپنے نفس کی سنت ہو گئی ، اب سو کہ مرید ہونا بیعت کرنے کو کہتے ہیں ، اور حضرت سے چھ ، طرح کی بیعت ثابت ہی ، ایک بیعت الاسلام یعنی مسلمان ہوتے وقت بیعت کرنی ، ”عن عمر ابن العاص قال اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقلت اُرسط یمینک فلا یامعک فبسط یمینہ فقبضت یدی فقل مالک یا عمرو قلت اردت ان اشتراط قال تشتراط ما اذا قلت ان یغفر لی فقال اما علمت یا عمرو ان الاسلام یدم ماکان قبلہ و ان الہجرة تہدم ماکان قبلہا و ان الحج یدم ماکان قبلہ“ یعنی مشکوٰۃ شریف کی کتاب الایمان میں عمرو ابن العاص سے حدیث نقل کی ہی کہ انہوں نے یہ بات کہی کہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور میں نے عرض کیا کہ اپنا داہاں ہاتھ بڑھائیے تاکہ مسلمان ہونے کو آپ کا مرید ہوں جب حضرت نے اپنا داہاں ہاتھ بڑھایا تو میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا حضرت نے فرمایا کہ اے عمر تجھکو کیا ہوا میں نے عرض کیا کہ ایک شرط کرنی چاہتا ہوں آپ نے فرمایا کہ کیا شرط کرتا ہی میں نے عرض کیا کہ یہ بات چاہتا ہوں کہ میری اگلی باتیں بخشی جاویں آپ نے فرمایا کہ اے عمرو کیا تو نہیں جانتا کہ اسلام لانا بے شک پہلی باتوں کو مٹا دیتا ہی اور ہجرت اگلی باتوں کو دور کر دیتی ہی اور حج پہلی باتوں کو نیست کر دیتا ہی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت کے وقت میں مسلمان ہوتے وقت بیعت ہوتی ہی - دوسری بیعت الخلافت ، یعنی جسکو اپنا سردار بنایا اُسکے حکم بجالانے کے لیئے بیعت کرنی ، چنانچہ بخاری

شریف میں ایک حدیث موجود ہے جسکا یہ نکتہ ہے ”فاما الجہاد فہو شهادة عبد الرحمن ثم قال اما بعد يا علي اني قد نظرت في امر الناس فلم ادرهم يعدلون بعثان ولا يعجلون على نفسك سبيلا فقال ابايعك على سبائك الله ورسوله والظليفتين فبايعه عبد الرحمن واما الجہاد الناس والمهاجرون والانصار و امراء الاجناد والمسلمون“ یعنی پھر جب سب لوگ اکٹھے ہو گئے تو عبد الرحمن نے خطبہ پڑھا اور پھر کہا کہ اُسکے بعد یہ بات ہے کہ اے علی میں نے خود کو لوگوں کے حال میں پھر مینے عثمان کی برابر کسیکو ندیکھا پھر تم بھی انکار مت کرو پھر علی نے کہا کہ بیعت کرتا ہوں میں تجھ سے یعنی عثمان سے اللہ اور اللہ کے رسول اور دونوں خلیفوں کی سنت پر پھر بیعت کی اُن سے یعنی عثمان سے عبد الرحمن نے اور بیعت کی اُن سے اور لوگوں نے اور مهاجرین نے اور انصار نے اور لشکروں کے سرداروں نے اور مسلمانوں نے ف اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کے وقت میں بیعت خلافت کی ہوتی تھی۔ تیسری بیعت الہجرۃ یعنی ہجرت پر بیعت کرنی۔ چوتھی بیعت الجہاد یعنی جہاد پر بیعت کرنی ”عن مجاشع قال اتيت النبي صلى الله عليه وسلم باخي بعد الفتح قال فقلت يا رسول الله جئتک باخي لتبايعه على الهجرة قال ذهب اهل الهجرة بما فيها فقلت على اي شيء تبايعه قال ابايعه على الاسلام والايمان والجهاد فقلت ابا معبد بعد وكان اكبر هئا فسالته فقال صدق“ یعنی صحیح بخاری کے باب مقام النبي صلى الله عليه وسلم بمكة زمن الفتح میں مجاشع سی یہ حدیث نقل کی ہے کہ انہوں نے یہ بات کہی کہ میں پیغمبر خدا صلى الله عليه وسلم پاس اپنے بھائی کو لایا مکہ کی فتح کے بعد پھر مینے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کے پاس اپنے بھائی کو لایا ہوں تاکہ آپ اُس سے ہجرت پر بیعت لیں آپ نے فرمایا کہ ہجرت والے گئے اُس سمیت جو ہجرت میں تھے پھر مینے عرض کیا کہ کس چیز پر اُس سے آپ بیعت لیونگے آپ نے فرمایا کہ میں اُس سے بیعت لونگا اسلام پر اور ایمان پر اور جہاد پر اور مجاشع سی جس نے یہ حدیث نقل کی ہے اُس نے یہ بھی کہا کہ پھر میں اُسکے بعد ابو معبد سے ملا اور وہ اُن دونوں میں بڑا تھا پھر مینے اُن سے پوچھا انہوں نے کہا کہ مجاشع نے سچ کہا ف اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور کے وقت میں ہجرت اور جہاد کرنے پر بیعت ہوتی تھی۔ پانچویں بیعت التوثق فی الجہاد یعنی جہاد میں مضبوط رہنے اور مرجانے پر بیعت کرنی ”عن يزيد ابن عبيد قال قلت لسملة على اي شيئي بايعهم النبي صلى الله عليه وسلم يوم التمدد بيبة قال على الموت“ یعنی صحیح بخاری میں يزيد ابن عبيد اللہ سے حدیث نقل کی ہے کہ انہوں نے یہ بات کہی کہ مینے سلمہ سے پوچھا کہ تم نے کس چیز پر پیغمبر خدا صلى الله عليه وسلم سے حدیبیہ کے دن بیعت

کی تھی انہوں نے کہا کہ جرنے اور سننے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت کے وقت میں چھابہ میں مشہور رہنے اور مرنے پر بیعت ہوتی تھی۔ چھابے بیعت القسک بمقتل القویٰ یعنی ابراہیمؑ کا کہنے اور شریعت پر چلنے کے لئے بیعت کرتی "عن عیبة ابن صامت رضی اللہ عنہ قال یا ایہنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی السمع والطاعة والمنشط والمکرة و ان لاتنازع الامو اہلہ و ان نقوم او نقول بالحق حیثما کنا لاتخاف فی اللہ اومة لائم" یعنی صحیح بخاری میں عیبة ابن صامت رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ انہوں نے یہ بات کہی کہ ہم نے بیعت کی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اور یہ کہا ماننے اور حکم بجالانے کے اور مرغوب و نا مرغوب پر اور اسیر کہ نہ چھکریں نہ سردار سے اور یہ کہ جہاں کہیں ہوں حق بات پر قائم رہیں گے اور حق بات کہیں گے نہ توہین اللہ کی راہ میں ملامت کرنے والے کی ملامت سے "عن جریر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ قال یا بیعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی السمع والطاعة فلانی فیما استطعت والنصح لكل مسلم" یعنی صحیح بخاری میں جریر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں بیعت کی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اور یہ کہا ماننے اور حکم بجالانے کے پھر سکھائی مجھ کو وہ چیز جسکی مجھے طاقت تھی اور ہر مسلمان کے لئے خیر خواہی ہے ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ حضرت کے وقت میں گناہوں سے بچنے اور سنت پر چلنے اور احکام شرعی کے بجالانے پر بیعت ہوتی تھی۔ یہ چھابہ طرح کی بیعتیں تو ثابت ہوئیں اور ان سے سوا ساتویں طرح کی کوئی بیعت ثابت نہیں شاہ ولی اللہ صاحب نے یہی قول جملہ میں انہیں چھابہ بیعتوں کا ذکر لکھا ہے اور انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ صحابہ اور تابعین کے وقت میں بعض سببوں سے ان میں سے بھی کوئی بیعت مروج نہ تھی ایک مدت بعد صرف یہ نے چھاتی قسم کی بیعت کو جاری کیا ہے اب سمجھ لو کہ گناہوں سے بچنے اور سنت رسول اللہ پر چلنے اور اگلے گناہوں سے توبہ اور استغفار کرنے کے لئے اگر کوئی شخص صرف سنت رسول اللہ سمجھ کر کسی نہکھضت پوہیزگار لکھ پڑھے عالم آدمی سے بیعت کرے تو کچھ مضائقہ نہیں بلکہ سنت و مستحب ہی مگر یہ بات کہ ہم فلاں سلسلہ میں مرید ہوئے اسکی کچھ اصل نہیں کیونکہ یہ بیعت تو دراصل توبہ ہی ہے یہ کہنا کہ ہم نے فلاں خاندان میں توبہ کی یا فلاں سلسلہ میں توبہ کی اسے کچھ معنی نہیں ہمارے زمانہ میں تو یہ حال ہو گیا ہے کہ مرید ہو کر پیر کو اپنا حمایتی جانتے ہیں اور شہزادہ لیکو اسکو معافی کا پروانہ سمجھتے ہیں اور یوں جانتے ہیں کہ ہمارے پیر ہمارے نزع کے وقت بھی کام آئیں گے اور قبر میں بھی حمایت کو دوڑیں گے اور اترے کام نکالیں گے

یہ سمجھنا بالکل گمراہی ہی۔ قیور میں اپنے اعمال کے سوا کچھ نام نہیں پتا شجرہ لیجانے سے کیا فائدہ اپنا نامہ اعمال درست کرنا چاہیئے جو قیور میں ہی کام آئے۔ اور قیامت میں بھی اور قیامت میں اللہ آپ انصاف کریگا پھر جب تک اللہ ہی فضل نکرے وہاں نہ پھر کسی حمایت چلیگی نہ فقہ کی وہ ایسا برا وقت ہوگا کہ کوئی کسی کی سدا نہ لےگا اپنی نفسی نفسی میں گرفتار ہونگے نہ پیر کو مرید کی خبر دہیگی اور نہ مرید کو پیر کی وہاں یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تو قادریہ خاندان میں مرید ہی یا نقشبندیہ میں یا چشتیہ خاندان کا مرید ہی یا سہرورد کا وہاں صرف یہ بات پوچھی جاوے گی کہ کہو کیا الایا فیکی یا ہسی متابعت رسول اللہ کی کی تھی یا نہیں پھر اللہ ہی کے فضل سے پیر کا بھی چھٹکارا ہی اور مرید کا بھی (ہیت)

قدسی ندانم چوں شود سونامہ ہزار جزا * ار نقد آموزش بکف منی جنس عصیاں در بغل
مطلب ساری تقریر کا یہ کہ اگر تم مرید بھی ہو تو اسی طرح ہو جس طرح رسول اللہ کی سنت میں ثابت ہوا ہی اور اگر ذکر اشغال بھی کرو تو اسی طرح کرو جس طرح کہ حضرت سے ثابت ہوا ہی کوئی بات اپنی طرف سے مت بڑھاؤ کیونکہ دین کی بات میں زیادتی کبھی کرنی بدعت ہی اور جو بدعت ہی وہ گمراہی ہی خدا کے نام لینے میں بے شک برکت ہی مگر وہ برکت جب ہی تک ہی جب تک کہ اللہ کا نام اسی طرح لیا جاوے جس طرح کہ خدا اور خدا کے رسول نے بتایا ہی ”فی التاتار خانیۃ والطوالع وقد صرح اللہ قیل لابن مسعود رضی اللہ عنہ ان قوماً اجتمعوا فی مسجد یہللون ویصلون عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ویرفعون اصواتہم یندب الیہم ابن مسعود رضی اللہ عنہ و قال مابعثنا ہذا علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ما یرکم الا میتدعین فما زال یذکر ذالک حتی اخرجه من المسجد“ و فی البحر الرائق لان ذکر اللہ تعالیٰ اذا قصد بہ التخصیص بوقت دون وقت او بشیئی دون شیئی لم یکن مشروعاً حیث لم یرہبہ لانه خلاف المشروع“ یعنی تاتار خانیۃ اور طوالع میں یہ بات لکھی ہی کہ یہ بات تحقیق ہی کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہیں کہا کہ کچھ لوگ مسجد میں جمع ہیں اور لا الہ الا اللہ پڑھ رہے ہیں اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج رہی ہیں اور پکار پکار کر پڑھتے ہیں پھر ابن مسعود ان پاس گئے اور کہا کہ یہ بات پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت میں نہ تھی اور میں تمکو نہیں جانتا مگر بدعتی اور یہی کہتے رہے پہلی تک کہ اُنکو مسجد میں سے نکالوا دیا اور بحر الرائق میں لکھا ہی کہ یہ بات اس لیے ہوئی کہ اگر اللہ کی یاد کرنیکو کوئی وقت یا کوئی چیز خاص کی جاوے جو شروع میں نہیں آئی تو وہ جائز نہیں کیونکہ خلاف

شروع ہی اب خیال کرو کہ کلمہ پڑھنا اور فرود دینا اتنے بڑے ثواب کا کام ہی مگر جبکہ وہ لوگ اس طرح نہیں پڑھتے تھے جس طرح کہ سنت رسول اللہ میں ثابت ہوا ہی تو حضرت ابن مسعود نے اُنکو بدعتی کہا اور مسجد سے نکال دیا پس اب جتنے ذکر اور اذکار شغل اشغال مشایخ کے ہیں تین حال سے خالی نہیں یا یہ کہ سنت رسول اللہ کے موافق ہیں اُنکو تو سر اور آنکھوں پر رکھنا چاہیئے یا یہ کہ شرع معذریہ اور سنت مصطفویہ میں اس طرح پر ذکر اور شغل کرنا ناجائز نہیں بلکہ مباح ہی تو اُن ذکروں کا بھی کچھ مضائقہ نہیں مگر جو ذکر کہ سنت سے ثابت ہوئے ہیں اُن ذکروں کے سامنے ان ذکروں کی اتنی ہی حقیقت نہیں جیسے آفتاب کے آگے ذرہ بلکہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے نور ایمان کا اور محبت اپنے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دی ہی وہ اس بات کا مزا جانتا ہوگا کہ بدعت کیسی ہی ہو حسنہ ہو یا سیئہ اُس کا چھوڑنا اور اُس سے بیزاری کرنی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر قائم رہنا اور آپ ہی کی سنت پر چلنا اور کیسی ہی چھوٹی سنت ہو اُس پر جان دینی دوفر جہان کی نعمت سے اعلیٰ اور اولیٰ اور افضل ہی کیونکہ سنت پر چلنے سے تو نور ایمان زیادہ ہوتا ہی اور اللہ کے دربار میں رتبہ بڑھ جاتا ہی اور بدعت کرنے سے ایک سنت اُٹھ جاتی ہی پھر فرض کرو کہ اگر بدعت کرنے میں گو وہ حسنہ ہی کیوں نہ ہو اگر ہمکو گتھریاں کی گتھریاں چھڑے پھر ہر کو ثواب ملتا ہو اور سنت پر چلنے سے ایک تل پھر تو ہمکو وہ تل پھر کافی ہی اور وہ بہت سا ثواب درکار نہیں، حالانکہ یہ بدعت فرضی ہی نہیں تو ظاہر ہی کہ اگر تمام جہان کے چتر کئے جاویں تو بھی ایک ادلی سنت کے ثواب برابر نہیں ہوسکتا افسوس تم پروائے سے بھی بدتر ہو گئے دیکھو وہ شمع کا عاشق ہی اور اُسکو آفتاب سے کچھ غرض نہیں۔ تم تو محمد رسول اللہ کی امت میں ہو پھر تمکو بدعت حسنہ اور سیئہ سے کیا کام جو حضرت نے کہا اور کیا دہی کرو اور نئی بات سے کچھ غرض نہ کرو خواہ وہ حسنہ ہو خواہ سیئہ کیا مسلمان ہو کر تمہیں اچھا لگتا ہی کہ رسول اللہ کی سنت تم میں سے اُٹھ جاوے، ”عن غصیف بن الحارث الثمالی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما احدث قوم بدعة الا رفع مثلها من السنة فتمسک بسنة خیر من احدث بدعة یعنی مشکوة شریف کے باب الاعتصام بالسنة میں غصیف ابن حارث ثمالی سے حدیث نقل کی ہی کہ اُنہوں نے یہ بدعت کہی کہ فرمایا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں نکالی کسی قوم نے کوئی بدعت مگر اُٹھائی جاتی ہی ویسی سنت پھر پکڑنا سنت کا بہتر ہی نکالنی بدعت سے وہ من حسان قال ما ابتدع قوم بدعة فی دینہم الا نزع اللہ من سنتہم مثلہا ثم

ہوتی ہی، کیونکہ جب تم دھیلان چنانکہ سنت طار پر نماز پڑھنی شروع کرو گے، ایک دن دھیلان نہ جمیگا دوسرے دن جمیگا تیسرے دن خود بخود چمنے لگیگا، یہہ تو کرتب کی بدیا ہی جو کریمکا وہ پاریمکا، دیکھو یہیادارہ کا تذکر ایسا گرم ہوتا ہی کہ اُسکے سامنے تھیرا بھی نہیں جاتا، مگر جب اُسکو عادت پڑ جاتی ہی تو وہ بے تکلف اندر ہلت ڈال ڈالکر روتیاں لگاتا ہی، جن فقیروں کے خیال میں تم پھنسے ہو وہ بھی تو کرتب ہی کی ہلت ہی، کیونکہ جس طرح وہ شغل بتاتے ہیں اگر اُس طرح پر لکرو تو بھی تو تمکو خاک نہیں ملتا، پھر تمکو کیا بلا ہو گئی ہی کہ سنت رسول اللہ کو تو چھوڑتے ہو، اور نئی بلا میں پھنستے ہو، حاصل یہہ کہ سنت رسول اللہ کو بہت چھوڑ پڑو بھی بنو تو سنت ہی پر بنو اور مرید بھی بنو تو سنت ہی پر بنو، بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہو اور جو مطیع سنت رسول اللہ ہو اُسکی صحبت اختیار کرو، کہ تمکو بھی نیک صحبت کی برکت پہونچے اور تمکو بھی اتباع سنت نصیب ہو، کیونکہ صحبت نیک میں بڑی تاثیر ہی، ”عن ابی موسیٰ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل المجلس الصالح و السوء كحامل المسك و نافع الکبر و فاحم المسک اما ان یحذیک و اما ان تتابع منه و اما ان تجرد منه و یحاک طيبة و نافع الکبر اما ان یحرق نیاک و اما ان تجرد منه و یحاک خبیثة“ یعنی بخاری شریف کے باب العصب فی اللہ و من اللہ میں ابی موسیٰ سے یہہ حدیث نقل کی ہی کہ انہوں نے یہہ بات کہی کہ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اچھے اور برے آدمی کی صحبت کی مثال عطار کی سی اور بھٹی دھونکنے والے کی سی ہی ہیں عطار یا تو تجھے بھی اُس خوشبو سے میں سے دیکھا یا تو اُس میں سے خریدیگا یا اُس میں سے کچھ خوشبوئے تجھکو پھونچ ہی دھینگی اور بھٹی دھونکنے والا یا تو تیرے کپڑے جلادیکھا اور یا تجھکو بدبو پھونچدگی کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحبت نیک عجب چیز ہی آدمی کو صحبت نیک اختیار کرنی چاہیئے اور اگر کوئی صحبت نیک نہ ملے تو پھر حدیث اور قرآن کی صحبت سے بہتر کوئی صحبت نہیں آدمی بغرات حدیث و قرآن پڑھا کرے اور اُس کے معنوں پر غور کرے وہ صفائی باطن اور تقرب الی اللہ حاصل ہوتا ہی کہ کسی چیز سے نہیں ہوتا، الحمد للہ کہ تم نے مرید ہونے کے بھی معنی جانے اب یہہ بھی جان لو کہ مرید کسے کہتے ہیں، ”عن سفیان ابن عبد اللہ الثقفی قال قلت یا رسول اللہ قل لی فی الاسلام قولاً لا اسال عنہ احداً بعدک و فی رواية غیرک قال قل آمین باللہ ثم استقم“ یعنی مشکوٰۃ شریف کی کتاب الایمان میں سفیان بن عبد اللہ الثقفی سے یہہ حدیث نقل کی ہی کہ انہوں نے یہہ بات کہی کہ میں نے جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و سلم کی جناب میں عرض کیا کہ آپ مجھے ایسی بات اسلام کے مقدمہ میں فرمادیں

کہ آپ کے بعد اُس کے پوچھنے کی حاجت نہ رہے اور ایک روایت میں ہے کہ اور کسی سے پوچھنا نہ پڑے آپ نے فرمایا کہ یوں کہہ کہ اللہ پر ایمان لایا میں اور یہو اسی پر قائم رہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پورا مرید رہی ہی کہ جو اللہ کی راہ پر قائم رہے اور باقی سب زتل ہی الحمد للہ اولاً و آخراً والصلوة والسلام علی رسولہ ظاہراً باطناً *

تہمت تمام شد

رأى سنت

در

رد بدعت

بسم الله الرحمن الرحيم

مولفہ سنہ ۱۲۹۷ ہجری مطابق سنہ ۱۸۵۰ ع

مناجات

- الہی میں ہوں بندہ بس گنہگار * کہ بھاگا در سے تیرے دن میں سو بار
- الہی در بدر بھٹکا پہرا میں * نہ آسودہ ہوا ہرگز ذرا میں
- الہی نفس و شیطاں نے ستایا * نہ جانا تھا جہاں رستہ بنایا
- الہی ہر طرف سے پھر پہرا کر * پٹا ہوں تیرے دیوارہ پہ آکر
- الہی تو شہنشاہ جہاں ہی * الہی دوسرا تجھسا کہاں ہی
- نہیں قادر الہی کوئی تجھسا * نہیں عاجز الہی کوئی مجھسا
- الہی تو غنی مہی بے نوا ہوں * الہی شاہ تو ہی مہی گدا ہوں
- الہی تو غفور اور میں گنہگار * الہی تو کریم اور میں گرفتار
- الہی تو قوی اور ناتواں میں * خداوند کہاں تو اور کہاں میں
- کیا مہی نہ تھا مجھکو سزاوار * تو اب وہ کر جو ہی تجھکو سزاوار
- الہی بخشدے اپنے کرم سے * چھوڑا دے دین اور دنیا کے غم سے
- الہی آسرا رکھتا ہوں تیرا * تو کردے خاتمہ باخیر میرا
- الہی ہیں سبھی محتاج تیرے * الہی بخش دے ماباپ میرے
- الہی ترک دنیا کا کروں میں * تیری ہی یاد میں آخر مروں میں
- نرکوں کچھ غرض شاہ و گدا سے * جو کچھ چاہوں سو چاہوں تجھے خدا سے
- الہی سینہ برباں عطا کر * الہی دیدہ گریباں عطا کر
- الہی عشق میں احمد کے رکھے چور * ہی بیمار محبت اُس کا مغفور
- الہی درد عشق مصطفیٰ دے * پھر اُس کے وصل کی مجھکو دوا دے
- الہی مجھکو کر خاک مدینہ * لگا دے گھ۔ ات سے میرا سفینہ
- الہی فتنی من کل ضیق * بچ۔ اہ المصطفیٰ مولیٰ الجمیع
- و ہب لی فی مدینتہ قراراً * بایہ۔ ان و دفن بالبقیع

سنو بھائی مسلمانوں ہمارے زمانہ میں بدعت کا ایسا زور ہوا ہی کہ سنت کے نام سے لوگ بھاگتے ہیں اگر سنت کا نام لو تو وہابی اور معتزلی کھڑے اور اگر بدعت پر بدعت کرتے جاؤ تو اللہ کے ولی بن جاؤ اب تو یوں بھگیا ہی کہ جو سنت پر چلے وہ وہابی اور جو بدعت کرے وہ ولی ایک بزرگ کا قول ہی کہ اگلے زمانہ میں بعض بزرگوں نے ایسا کیا ہی کہ جب بہت سے لوگ انکے معتقد ہو جاتے اور ہر وقت اُنکے گرد بٹھتے اور اس سبب سے اُن کی اوقات میں خلل پڑتا تو اُنکا عقیدہ توڑنے اور اپنا پیچھا چھوڑنے کو ایک چھوٹی سی سنت کو چھوڑ دیتے تھے تاکہ لوگ بے اعتقاد ہو جاویں اور ملامت کریں کہ یہ تو تارک سنت ہی اُس کے پاس یہ تکنا نہیں چاہئے اب یہ زمانہ آگیا ہی کہ اگر کوئی یہہ چاہے کہ مجھے لوگ برا کہیں اور میرے پاس نہ بھگتیں وہ پیغمبر خدا ﷺ علیہ وسلم کی سنت کا اتباع کرے کہ اس زمانہ میں یہی بات اُس کے برا کہنے کو کافی تھی۔ مصعب بدین تفاوت وہ از کجاست تا کجا۔ افسوس کیا زمانہ تھا کہ اگلے لوگ سنت رسول اللہ ﷺ پر جان دیتے تھے اور اب جو سنت پر چلے اُس پر نام دھوا جاتا ہی کوئی نہیں پوچھتا کہ پیغمبر خدا ﷺ علیہ وسلم کے وقت میں کیا ہوتا تھا اور صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کیا کرتے تھے ایا اُن کے ہاں بھی مرنے جینا شامی غنی ہوتی تھی وہ بھی خدا کے طالب تھے دنیا سے بھاگتے تھے اُنہوں نے کیا کیا وہی ہم بھی کریں کونسی چھوڑ اُس زمانہ میں نہوتی تھی جو اب نئی ہو گئی کہ نئی بات کا نکالنا پڑا اور جن زمانوں کے اچھے ہونے کی حضرت صلعم نے خبر دی اُنکی پھر وہی چھوڑنے کی کیا ضرورت پڑی اُنی "عن عمول بن حصین قال قال رسول اللہ ﷺ علیہ وسلم خیر امتی قرنی ثم الفون یلونہم ثم الذین یلونہم ثم ان بعد ہم ثمأ یشهدون ولا یشہدون ولا یستشہدون ولا یخونون ولا یؤتینون ولا یفون ولا یظہر فہم السن" یعنی مشکاة شریف کے باب مناقب الصحابہ میں عمران ابن حصین سے نقل کی ہی کہ اُنہوں نے یہہ بات کہی کہ رسول خدا ﷺ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں سب سے اچھے میرے اصحاب ہیں پھر میرے اصحاب کے ملنے والے پھر اُن ملنے والوں کے ملنے والے پھر اُن کے بعد لوگ ہونگے کہ گواہی دینکے اور کوئی اُن سے گواہی نہ لیکے اور خیانت کریں گے اور دیانت دار نہ ہونگے اور وعدہ کریں گے اور پورا نہ کریں گے اور ہر طرح کا مال کیا کر سوتے ہو جاوینکے وٹ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ساری امت سے اچھے تو صحابہ تھے اور اُنکے بعد تابعین اور اُنکے بعد تبع تابعین باقی امت سے اچھے ہیں پھر جو خصلتیں اور عادتیں اور عبادتیں اُن لوگوں میں موج تھیں وہی اچھی ہوتی اور باقی سب ناکارہ پھر کیسا ہی بڑا عالم اور کتنا ہی بڑا فقیر اور کیسا ہی پیر اور کیسا ہی پیرزادہ ہو اگر اُسکی باتیں ایسی ہیں جیسی اُن لوگوں کی تھیں تو وہ تو سب کا سرتاج ہی اور نہیں تو کچھ پھر نہیں لے بھائی مسلمانوں ہمیں جان لو کہ کئی پیر یا فقیر کے لکھے ہوئے

طریقہ پر چلنے سے دستار لہیں ہونے کا صرف رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کے خاص لوگوں کی طریقت پر چلنے سے چھٹکارا ہی ” عن عبد اللہ ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لہاتین علی امتی کما اتی علی بنی اسرائیل خذو النعل بالنعل حتی انتکان منہم من اتی امہ علانیۃ لکان فی امتی من یصنع ذلک و ان بنی اسرائیل تفرقت علی ثنتین و سبعین ملۃ و تفرق امتی علی ثلاث و سبعین ملۃ کلہم فی النار الا ملۃ واحدة قالوا من ہی یا رسول اللہ قال ما انا علیہ و اصحابی ” یعنی مشکوٰۃ شریف کے باب الاعتصام بالسنة میں عبد اللہ ابن عمر سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ انہوں نے یہ بات کہی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت پر بھی ایسا زمانہ آویگا جیسا بنی اسرائیل پر آیا تھا ہو ہو یہاں تک کہ اگر اُن میں سے کسی نے بے دھڑک اپنی ماں کے ساتھ برا کام کیا تھا تو میری امت میں بھی ایسا ہی کرینگے اور بنی اسرائیل تو بہتر راہ پر ہو گئے تھے اور میری امت کے لوگ تہتر راہ ہونگے مارے کے سارے دوزخ میں جاوینگے مگر ایک راہ والے دوزخ میں نہیں جانے کے لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ وہ کون سی راہ ہے آپ نے فرمایا کہ جس راہ پر میں ہوں اور میرے اصحاب یعنی اُس راہ پر جو لوگ ہونگے دوزخ میں نہیں جانے کے وہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس بات میں نجات ہے وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صحابہ کی طریقت ہے پھر اے بھائی مسلمانوں تم بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صحابہ کی طریقت کو پکڑو اور بدعت کو چھوڑو اور اپنے باپ دادا کی رسمیں مٹنے کا دھیان مت کرو اس لئے کہ باپ دادا کی رسموں کے بدلے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مہنگی نہیں ہے بلکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت تو وہ نعمت ہے کہ اگر دونوں جہان کے بدلے ہاتھ لگتی ہو تو بھی سستی ہے (بیت)

بوے کڑاں غنبر لرزاں دھی * گر بدو عالم دھی ارزاں دھی

یہ تو خیال میں نہیں آتا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھ کر اور مسلمان کہلا کر آدمی بدعت کو برا نجانے مگر حدیث میں جو بدعت کا لفظ آیا ہے شاید تمکو اُس کے معنی معلوم نہیں تو چلو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی حدیث سے اُس کے معنی بھی پوچھ لیں کیونکہ مثل مشہور ہے (مصرع)

تصنیف را مصنف نہکو کند یہاں

پہلی قسم کی بدعت کا بیان

عن عرباض بن ساریۃ قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذات یوم ثم اقبل علینا بوجہ فو عظنا موعظة بلغة نرفت منها العین و وجلت منها القلوب فقال رجل یا

رسول اللہ کان ہذا موعظۃ مودع فارصینا فقال اوصیکم بتقوی اللہ والسمع والطاعة و ان کان عبدا حبشیاً فانه منی بعض منکم یعنی فسیزنی اختلافاً کثیراً فعلیکم بسنتی و سنة خلفاء الراشدين المہدیوں تمسکوا بہا و عضوا علیہا بالنواجذ وایا کم و محدثات الامور فان کل محدثۃ بدعۃ و کل بدعۃ ضلالۃ“ یعنی مشکوٰۃ شریف کے باب الاعتصام بالسنة بن عرباض ابن ساریہ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ انہوں نے یہ بات کہی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ہمکو نماز پڑھوائی پھر ہماری طرف موندھ کر کر متوجہ ہوئے پھر ہمکو نصیحت کی بہت اچھی نصیحت کہ اُس نصیحت کے سبب آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور اُس سے دل کانپ گئے پھر ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ نصیحت تو رخصت کرنے والے کی سی ہے پھر ہمکو کچھ وصیت بھی کر دیجئے پھر حضرت نے فرمایا کہ میں تمکو اللہ کے ساتھ پرہیزگاری کرنے کی وصیت کرتا ہوں اور سردار کا کہا ماننے اور حکم بجالانے کی اگرچہ حبشی غلام ہے کیوں نہ یہ بات ٹھیک ہے کہ میرے پیچھے جو کوئی تم میں سے جیتا رہے گا وہ بہت سے اختلاف دیکھے گا پھر میری سنت اور میرے خلفاء راشدین کی سنت پر چلو کہ اُن کو ہدایت ہوگئی ہے اُسی پر بھروسہ کرو اور اُسی کو دانتوں سے مضبوط پکڑے رہو اور بچو تم نئی چیزوں سے پھر اِس میں کچھ شک نہیں کہ جو نئی چیز ہے بدعت ہے اور جو بدعت ہے گمراہی ہے “ و عن جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اما بعد فان خیر الحدیث کتاب اللہ و خیر الہدیٰ ہدیٰ محمد و شر الامور محدثاتہا و کل بدعۃ ضلالۃ“ یعنی اور مشکوٰۃ شریف کے اسی باب میں جابر سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ انہوں نے یہ بات کہی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی تعریف کے بعد یہ بات ہے کہ سب سے اچھا کلم کلم اللہ ہے اور سب سے اچھی راہ محمد کی ہے اور بدترین چیزوں کی نئی نکلی ہوئی چیزیں ہیں اور جو بدعت ہے گمراہی ہے و ان حدیثوں میں دو لفظ آئے ہیں ایک تو محدثات اور دوسرا امور جن کا ترجمہ نئی چیزیں ہیں اور ان دونوں لفظوں کے معنی معلوم ہونے سے بدعت کے معنی بھی معلوم ہو جاتے ہیں کیونکہ رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ جو نئی چیز ہے بدعت ہے تو جب نئی چیز کے معنی معلوم ہو جائیں گے تو بدعت کے معنی بھی معلوم ہو جائیں گے اب سنو کہ نئی چیز اُسے کہتے ہیں کہ نہ تو وہ چیز اگلے زمانہ میں ہو اور نہ اُس کی مانند اور کوئی چیز ہو مثلاً نئی ٹیپ سینی یا تازی روٹی پکانے یا نئی تلوار بنانے کو باوجودیکہ یہ سب چیزیں نئی ہوتی ہیں مگر انکو کوئی شخص نئی چیز نہیں کہتا تو اس کا یہی سبب ہے کہ اگرچہ یہ ٹیپ جو اب سی گئی ہے یا یہ روٹی جو اب پکائی گئی ہے یا یہ تلوار جو اب بنائی گئی ہے اگلے زمانہ میں یہ تو نہ تھی مگر اس طرح کی ٹیپ اور لسطح کی روٹی اور اس طرح کی تلوار اگلے زمانہ میں بھی ہوتی تھی اس واسطے ان چیزوں

کو یہ تو کہنے کے کہ یہ نئی ترویج اور یہ تازہ روٹی اور یہ نئی تلوار ہی مگر یہ کوئی نہیں کہنے کا کہ یہ نئی چیز ہی اس سے معلوم ہوا کہ نئی چیز وہی ہے کہ جو اگلے زمانہ میں وہ چیز تھی اور نہ اس کی مانند اور کوئی چیز کیونکہ اگر وہ چیز خود اگلے زمانہ میں تھی تو اس کے لئے نہونے میں تو کچھ کلم ہی نہیں اور جو چیز کہ اب ہے اور ویسی ہی اب اور چیز اگلے زمانہ میں تھی تو گویا یہ حال کی چیز بھی اگلے ہی زمانہ کی ہوئی اور اس واسطے اللہ صاحب نے فرمایا ہے فاعتبروا یا آلئالبصار یعنی اے سمجھنے والو ایک چیز کا حال دیکھ کر اسی طرح کی دوسری چیز کا بھی ویسا ہی حال سمجھ لو اور شرع میں اسی بات کا نام قیاس ہے پھر ایک چیز کا دوسری چیز پر قیاس کرنا نئی بات نہوتی کیونکہ قیاس کرنا تو اللہ نے حکم دیا ہے اور نئی چیز کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے برا بنا دیا ہے کہ شرالامور معدناتہا یعنی بدترین چیزوں کی نئی نکلی ہوئی چیزیں ہیں پھر اللہ تعالیٰ بُری بات کا کہوں حکم دیتا اس سے معلوم ہوا کہ اگر پہلی چیزوں کی مانند اب کوئی چیز ہو تو وہ نئی چیز نہیں ہے اور یہ بھی جان لینا چاہئے کہ اگلے زمانہ سے وہی زمانہ مراد ہے جسکے اچھے ہونے کی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے اور وہ زمانہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ عنہم کا خیر امتی قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں سب سے اچھے میرے اصحاب ہیں پھر میرے اصحاب کے ملنے والے پھر ان ملنے والوں کے ملنے والے بس اب نئی چیز وہی ہوگی کہ ان زمانوں میں نہ وہ چیز ہو اور نہ اس کی مانند دوسری چیز کیونکہ جو چیز کہ حضرت کے وقت میں تھی وہ تو تھیست سنت ہے اور جو چیز کہ ان تینوں زمانوں میں تھی وہ بھی سنت ہے کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان زمانوں کے اچھے ہونے کی خبر کر دی اور صحابہ کے طریقہ پر چلنے کا حکم دے دیا "علیکم بسنتی وسنة خلفاء الراشدين المہدیین" یعنی میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت پر چلو کہ اگو ہدایت ہوگئی ہے اور یہ بھی جانلو کہ ہمارے جو یہ بات کہی ہے کہ جو چیز کہ حضرت کے زمانہ میں یا ان تینوں زمانوں میں تھی وہ سنت ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ یا تو اس چیز کو حضرت نے آپ کیا اور یا اس کے کرنے کا حکم دیا ہو یا اور کسی نے کیا ہو اور آپ نے خبر پاکر منع نکھا ہو یہ تو اس چیز کا حضرت کے وقت میں ہونا ہے اور صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کے وقت میں اس چیز کے ہونے کے یہ معنی ہیں کہ ان زمانوں میں سے کسی زمانہ میں بے کہتے اس کا رواج ہو گیا ہو اور کسے اسکو برا نجانا ہو نہ یہ کہ کسی کا دکانے اُسے کیا ہو یا اس کے کرنے والوں کو لوگوں نے براجانا ہو کیونکہ اس طرح کی بات معتبر نہیں ہوتی اور اس کا ہونا گھرنے ہی کے برابر ہوتا ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ حدیث میں جو یہ

لفظ آیا ہی کہ ”ما انا علیہ و اصحابی“ اس لفظ سے صحابہ کی عادت مراد ہی کہونکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے صحابہ کی راہ پر چلنے کے یہہ معنی بتائے ہیں۔“ عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال من کان مستقلاً فليستق بلسی قدمات فان العی لاترمن علیہ اللعنة اولئك اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کانوا افضل هذه الامة ابرها قلباً و اعظمها علماً و اقلها تكلفاً اختارهم الله لصحبته نبیة و لقامة دینہ فاعترفوا لهم بفضلهم و اتبعوا هم علی اثرهم و تمسکوا بما استعظم من اخلاقهم و سیرهم فالتمم کالوا علی الهدی المستقیم رواہ رزین ”یعنی مشکوٰۃ شریف کے باب الاعتصام بالسنة میں لکھا ہے کہ رزین نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہہ بات نقل کی کہ انہوں نے کہا کہ اگر کوئی شخص کسی کی راہ پر چلنا چاہے تو اُن لوگوں کی راہ پر چلے جو مرگئے ہیں کیونکہ جیتوں پر فتنہ میں نہ پڑے گا پھر وہ نہیں ہوتا ہی اور وہ لوگ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب تھے اس ساری امت کے لوگوں سے بہتر بہت صاف دل اور بڑے عالم اور بہت بے تکلف اُنکو اللہ نے اپنے نبی کی صحبت اور اُس کا دین مستحکم کرنے کے لئے پسند کیا تھا پھر تم اُنکی بزرگی پر خیال کرو اور اُنکے قدم بقدم چلو اور جتنا ہوسکے اُنکے اخلاق اور اُنکی عادتوں کو پکڑو اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ سیدھی راہ پر تھے و اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ما انا علیہ و اصحابی سے یہہ ہی مراد ہی کہ صحابہ کے اخلاق اور اُنکی عادتوں کو پکڑنا چاہئے اور یہہ قاعدہ ہی کہ جب اسطرح پر بات کہی جاتی ہی کہ فلاں لوگوں کی یہہ عادت ہی تو اُس سے وہی بات مراد ہوتی ہی جسکا اُن لوگوں میں رواج ہو نہ وہ بات کہ انتفا کسی اکا کا آدمی نے اُس کو کر لیا ہو یا اُس کے کرنے والوں کو لوگ برا جانتے ہوں کیونکہ ایسی بات کو عادت نہیں کہتے اُس کی ایسی مثال ہی کہ جیسے حبشیوں میں کچکا گوشت کھانے کا رواج ہی کہ اکثر حبشی کچکا گوشت کھاتے ہیں اور کوئی حبشی اُسکو برا نہیں جانتا گو کسی ایک آنہ حبشی نے نہ بھی کھایا ہو مگر یہہ کہہ سکتے ہیں کہ کچکا گوشت کھانا حبشیوں کی عادت ہی اور اگر اتفاق سے کوئی ہندوستانی بھی کچکا گوشت کھالے یا ہندوستانی لوگ کچکا گوشت کھانے والوں پر نام دھریں تو یہہ کوئی نہیں کہنے کا کہ کچکا گوشت کھانا ہندوستانیوں کی عادت ہی غرض کہ عادت اُسی کو کہتے ہیں کہ جسکا بے گھمکے رواج ہو گیا ہو اور اُس کے سوا ایک اور بات ہی کہ رسول خدا نے فرمایا ہی ما انا علیہ و اصحابی یعنی جس طریقہ پر میں ہوں اور میرے اصحاب اور یہہ قاعدہ ہی کہ اگر بہت سی چیزوں کو اپنی طرف نسبت کر کر بیان کیا جاوے تو اُس سے وہ سب چیزیں مراد ہوتی ہیں یہہ نہیں ہوتا کہ کچھ تو اُن میں سے مراد ہوں اور کچھ نہ ہوں مثلاً کسی شخص کے بہت سے بھائی ہوں اور وہ یہہ کہے کہ اس حویلی میں میرے بھائیوں کی شرکت ہی تو اس سے بھی سمجھا جائیگا کہ اُس کے جتنے بھائی ہیں سب کے سب شریک ہیں اسطرح رسول خدا صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا ہے میرے اصحاب کہ اس لفظ سے بھی سمجھا جاتا ہے کہ سارے اصحاب
مولا ہیں اور سارے صحابہوں کا کسی بات پر متفق ہو جانا تو ہی طرح پر ہو سکتا ہے یا یہ کہ
سب صحابی اسی بات کو کہیں یا اکثر کہیں اور باقی بولتے جائیں اور اسی بات کا نام رواج
ہی اور اسی طرح رسول مقبول نے فرمایا ہے خیر امتی قرنی یعنی میری امت میں سب
سے اچھے میرے زمانہ کے لوگ ہیں تو اس سے بھی باتیں سمجھی جاتی ہیں کہ ان لوگوں
میں جس سے چیزوں کا رواج ہے وہ اچھے ہیں نہ یہ کہ اگر کوئی شخص اتفاقاً بشریت
سے کوئی کام کرے وہ بھی اچھا ہو جائے اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی یوں
کہے کہ اس زمانہ کے لوگ بڑے فضول خرچ ہیں تو اس سے بھی سمجھا جاوے گا کہ اس
زمانہ کے لوگوں میں شادی اور غمی اور مہنے چھنے اور پہننے اور کھانے اور پینے میں
بہت سے درخت خرچ کرنے کا رواج ہے اگرچہ کوئی ایک آدمی فضول خرچ نہ بھی ہو
غرض کہ جس چیز کی عادت پڑ گئی ہو اور جس کا رواج ہو گیا ہو وہی چیز ہونے میں
داخل ہے نہیں تو اس کا ہونا اور نہ ہونا پڑا ہے ہی ایسی بات نئی چیز کے معنی یہ
تھوڑے کہ نہ وہ چیز اور نہ اس کی مانند دوسری چیز رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے
زمانہ میں ہو اور نہ اس چیز کا اور نہ اسی کی مانند دوسری چیز کا ان تینوں وقتوں میں
بے کھتے رواج ہو گیا ہو اب جہاں کہیں نئی چیز کا ذکر آئے بھی سمجھا مگر اتنی
بات آؤں سمجھ لینی چاہئے کہ نئی چیز تو ہر طرح کی بات کو کہتے ہیں خواہ دین کی بات
ہو خواہ دنیا کی مگر اس کچھ صرف دیکھ کی بات مراد ہے "عن رافع ابن خدیج قال قدم
نبي الله صلى الله عليه وسلم المدينة وهم يبيعون النخل فقال ما تصنعون قالوا كنا نضعه قال لعلمكم
لو لم تفعلوا كان خيراً أتذكرون ذلك قالوا لا فقال إنما أنا بشر إذا أمرتكم بشيئ فمن أمر
دينكم فخذوبه وإذا أمرتكم بشيء من رأي فانما أنا بشر" یعنی مشكوة شریف کے باب الاعتصام
بالسنة میں رافع ابن خدیج سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ انہوں نے یہ بات کہی کہ رسول
خدا صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے اور مدینہ والے کھجوریں میں کھجورے کا مارا
دیتے تھے پھر حضرت نے پوچھا کہ یہ کیا کرتے ہو انہوں نے کہا کہ ہم تو بیٹھیں کیا کرتے
ہیں آپ نے فرمایا کہ اگر نکرو تو شاید اچھا ہو پھر لوگوں نے ملو دینا کھجور دینا مگر اس
پرسوں کھجوریں کم پوچھ لوگوں نے حضرت کے سامنے اس کا ذکر کیا آپ نے فرمایا کہ بات یوں
ہی ہے کہ میں بھی آدمی ہوں جب تمہارے دین کی کوئی بات بتاؤں اس کو تو بجاؤ
اور دنیا کی جیسی بات کو اپنی عقل سے کہیں تو پھر میں بھی آدمی ہی ہوں اس
حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نئی چیزوں کو برا بتایا ہے
ان نئی چیزوں سے دین ہی کی بات مراد ہے دنیا کے کاموں سے کچھ غرض نہیں اور دین
کی بات اسے کہتے ہیں جس سے شرع کے حکم علاقہ رکھتے ہوں اور شرع کے حکم پانچ چیزوں

سے متعلق ہیں ایک تو عقاید سے کہ آدمی اپنا عقیدہ کیسا رکھے جیسے کہ اللہ کو ایک جاننا اور شرک نہ کرنا کیونکہ اللہ کو ایک سمجھنا مسلمان ہونے کی بنیاد ہی اور شرک کرنا مسلمانی کو ڈھانا ہی دوسرے اخلاق سے کہ آدمی اپنے میں کس طرح کا خلق پیدا کرے جیسے رحم دل ہونا اور سخت دل نہ ہونا کیونکہ رحم دل پر اللہ رحمت کرتا ہی اور سخت دل اللہ کی رحمت سے دور ہوتا ہی یا توکل کرنا اور حریص نہ ہونا کیونکہ توکل کرنے سے اللہ صاحب کے دربار میں رتبہ بڑھتا ہی اور حرص کرنے سے قدر کھٹتی ہی تیسرے اُن باتوں سے جو آدمی کے دلپر ایک کیفیت اچھی یا بری چھا جاتی ہی جیسے اللہ کی محبت دل پر چھانی اور سب کی محبت دل سے نکلتی اللہ کی رضامندی کا سبب ہی اور اللہ کے دشمنوں کی محبت جمنی اللہ کی خفگی کا باعث ہی چوتھے اُن باتوں سے جو آدمی اپنی زبان سے کہتا ہی جیسے گناہوں سے توبہ کرنے میں اللہ مہربان ہوتا ہی اور دین کے کاموں میں رویت کرنے سے جسکا نام صلح کُل رکھا ہی اللہ کی مہربانی جاتی رہتی ہی پانچویں اُن باتوں سے جو آدمی اپنے ہاتھ پاؤں آنکھ ناک سے کرتا ہی جیسے جہاد کرنے سے جنت میں درجہ بڑھتا ہی اور مسلمان کے مارنے سے دوزخ میں پڑتا ہی غرض کہ شرع میں انہیں پانچ چیزوں سے بحث ہی کہ انہی پانچوں چیزوں میں سے کسی کے کرنے کا حکم ہوتا ہی اور کسی کے نہ کرنے کا حکم ہوتا ہی اور ان پانچوں چیزوں کو اگر عبادت کے طور پر کریگا تو اور اگر عادت کے طور پر کریگا تو اور اگر دنیا کے معاملہ کے طور پر کریگا تو انہی سے شرع کے حکم متعلق ہیں کیونکہ جس طرح شرع کے حکم عبادت سے متعلق ہیں اُسی طرح عادت اور دنیا کے معاملہ سے بھی متعلق ہیں جیسے کہ حدیث شریف میں آیا ہی کہ تین دفعہ کوکر خوشبوئے لکابی اور تین سالٹی سرمہ دینا اللہ کے نزدیک اچھا ہی اور بائیں ہاتھ سے کھانا کھانا اور حالانکہ یہ تو ایک ثلاث کی بات ہی یا یہ کہ حدیث شریف میں آیا ہی کہ ایمان شاری سے سودا گری کرنی قیامت میں نفع دینگی اور کلم اللہ میں آیا ہی کہ سود کھانا قیامت میں نقصان دینگا حالانکہ یہ تو دنیا کے معاملات کی بات ہی غرض کہ شرع کے احکام جس طرح عبادت سے متعلق ہیں اُسی طرح عادت سے اور دنیا کے معاملات سے بھی متعلق ہیں اور سب اس کا یہ ہی کہ شرع کے احکام آدمی کا ظاہر اور باطن دونوں درست ہونے کو آتے ہیں پھر ظاہر کی درستی جب ہی ہوتی ہی جب آدمی اپنی عبادت اور عادت اور معاملہ کو درست کرنے اور باطن کی درستی جب ہوتی ہی جب آدمی اپنا عقیدہ اور دل کے حالات خدا اور خدا کے رسول کے حکم بموجب درست کرے

اندرون را زجہل خالی دار * تا در نور معرفت بینی

اور یہ بھی سمجھنے کی بات ہی کہ جس طرح شرع میں ان پانچوں چیزوں میں سے کسی کے کرنے اور کسی کے نہ کرنے کا حکم ہی اِسی طرح بعض حکموں میں ایک قہر لگادی جاتی

ہی اور اُس کی حد معین کر دی جاتی ہی اور اُس کی ایک شرط پھیلائی جاتی ہی جیسے وضو بغیر نماز کا نہ ہونا یا مقدور بغیر حج کا فرض نہ ہونا تو اس طرح کی باتیں بھی دیں ہی کی باتوں میں داخل ہیں اور ان میں بھی نئی بات نکالنی دین ہی کی بات میں نئی بات نکالنی ہی کیونکہ ان باتوں سے بھی شرع کے حکم متعلق ہیں ان حدیثوں سے بدعت کے یہہ معنی معلوم ہوئے کہ جو عقیدہ اور بات چیت اور دل پر کے حالات اور عبادت اور عادت اور معاملہ کہ نیا ہو یعنی نہ وہ اور نہ اُس کے مانند دوسری چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہو اور نہ اُس کا اور نہ اُس کے مانند دوسری چیز کا صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کے وقتوں میں بے کھٹکے رواج ہو گیا ہو اور کوئی شخص اُس کو قیامت میں فائدہ مند سمجھ کر کرے یا مضر جانکر چھوڑ دے یا کسی عبادت یا معاملہ کے رکن یا شرط یا لوازم سے جان کر کرے یا اُس کے برخلاف سمجھ کر چھوڑ دے اُس کو تہمت بدعت کہتے ہیں جسکے حق میں رسول مقبول صادق مصدق نے فرمایا کہ شر الامور محدثا تھا یعنی بدترین چیزوں کی نئی چیزیں ہیں اب دیکھ لو کہ جو اس طرح کی نئی باتیں ہیں وہ تہمت بدعت ہیں *

دوسری قسم کی بدعت کا بیان

اس کے سوا ہمارے زمانہ میں ایک اور طرح کی بدعت کا زور ہی کہ جس میں اکثر خواص لوگ بھی مبتلا ہیں مثلاً ایک بات تو شرع میں ہی مگر اُس میں ایک اور ایسی بات بڑھا گھٹا دیتے ہیں کہ وہ سنت سے بدعت ہو جاتی ہی چنانچہ اب ہم اس بدعت کا بیان کرتے ہیں “عن عائشة قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد“ یعنی مشکوٰۃ شریف کے باب الاعتصام بالسنة میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہہ حدیث نقل کی ہی کہ اُنہوں نے یہہ بات کہی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ہماری اس شریعت میں نئی چیز نکالی کہ جو اُس میں سے نہیں ہی تو وہ چیز مردود ہی “و عن انس قال جاء ثلثة رهط الى ازواج النبي صلى الله عليه وسلم يسئلون عن عبادة النبي صلى الله عليه وسلم فلما اخبروا بها كنهن تقالو ها فقالوا زين فكن من النبي صلى الله عليه وسلم وقد غفر الله له ماتقدم من ذنبه و ما تاخر فقال احد هم اما انا فاصلي الليل ابدًا و قال الآخر انا اصوم النهار ابدًا و لا افطر و قال الآخر انا اغزل النساء ثلثة اتزوج ابدًا فجاد النبي صلى الله عليه وسلم اليهم فقال انتم الذين قلتم كذا و كذا اما و الله اني لآخشيكم لله و اتقهم له لكني اصوم و افطر و اصلي و ارتدو اتزوج الفساد فين رغب عن سنتي فلهن مني“ یعنی مشکوٰۃ شریف کے باب الاعتصام بالسنة میں انس رضی اللہ عنہ سے یہہ حدیث نقل کی ہی کہ اُنہوں نے یہہ بات کہی کہ تین شخص پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ

سلم کی بیبیوں پاس آئے پوچھتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کا حال پھر جب اُنکو وہ بتائے گئے تو گویا اُنہوں نے اُسکو کم جانا پھر آپس میں کہنے لگے کہ کہاں ہم اور کہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ بیشک اللہ نے اُنکی پہلی پچھلی باتیں سب بخش دی ہیں پھر اُن میں سے ایک نے کہا کہ میں تو ساری رات نماز ہی پڑھا کرونگا دوسرے نے کہا کہ میں ہمیشہ روزے ہی رکھا کرونگا اور نہ چھوڑونگا تیسرے نے کہا کہ میں عورتوں کے پاس نہیں جانے کا اور کبھی نکاح نہیں کرنے کا اِنے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے پاس تشریف لے آئے اور فرمایا کہ تم ہی ایسی ایسی باتیں کرتے ہو خبردار ہو خدا کی قسم بیشک میں بہت ڈرتا ہوں تمہاری بنسبت اللہ سے اور تمہاری بنسبت بہت پرہیزگاری کرتا ہوں اللہ کی لیکن میں روزے بھی رکھتا ہوں اور نہیں بھی رکھتا اور نماز بھی پڑھتا ہوں اور رات کو سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں پھر جو شخص میری سنت سے پھرا وہ مجھ سے نہیں ف پھلی حدیث میں تین لفظ آئے ہیں کہ جنکے جاننے سے اس طرح کی بدعت کے معنی بھی معلوم ہوجاتے ہیں ایک تو لفظ احدث اور دوسرا امرنا اور تیسرا لفظ ما جن میں سے پہلے دونو لفظوں کا ترجمہ یہہ ہی کہ نئی چیز نکالی ہماری شریعت میں ان دونو لفظوں کے معنی تو پہلے معلوم ہوچکے ہیں کہ نئی چیز کیا ہوتی ہی اور دین کی بات کن کن چیزوں کو کہتے ہیں البتہ تیسرے لفظ یعنی ما کے لفظ کے معنی معلوم کرنے چاہیئیں اب جان لو کہ ما کے لفظ کا ترجمہ اُردو میں جو ہی اور اِس لفظ کے ایسے مفہم معنی ہوتے ہیں کہ ہر بات پر ٹھیک آجاتے ہیں لیکن جس مقدمہ میں بات چیت ہو اُس کے قریبہ سے اُسی مقدمہ کے متعلق مراد ہوتی ہی مثلاً اگر کوئی یوں کہے کہ جاہلوں کو نہیں چاہیئے کہ جو عالموں کی باتیں ہیں اُن میں داخل دے تو اب جو کا لفظ ایسا ہی کہ ہر بات پر ٹھیک آسکتا ہی مگر اِس جگہ بات چیت کے قریبہ سے یہہ ہی بات سمجھی جاتی ہی کہ جو کے لفظ سے علم کی باتیں مراد ہیں کہ جاہل عالموں کے علم کی باتوں میں داخل نہ دے یعنی کوئی کتاب نہ بنائے کوئی تقریر نہ گزے کوئی مسئلہ نہ نکالے نہ یہہ کہ کپڑا بنانے اور کھانا کھانے میں بھی کچھ دخل نہ دے اگرچہ کپڑا پہنا اور کھانا کھانا عالموں میں بھی ہوتا ہی اسی طرح پہلی حدیث میں جو ما کا لفظ ہی اُس سے بھی اسی طرح کے معنی مراد ہیں کہ جو کوئی نبیوں کے کام میں جو نئی بات نکالے وہ بات مردود ہی تو اب یہہ بات دیکھنی چاہیئے کہ انبیاء کس کام پر اللہ کی طرف سے آئے ہیں اب سمجھ لو کہ جس طرح انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام عقاید اور اخلاق اور دل کے حالات اور زبان کی بات چیت اور ہاتھ پاؤں کے کام کاج جسے ظاہر اور باطن کی آراستگی ہوتی ہی درست کرنے کو آئے ہیں اسی طرح سب باتوں کی حدیں مقرر کرنے اور ہوکام کرنے کا تھب بنانے اور ہر ایک چیز کی صورت تھبرادینے کو بھی آئے ہیں کیونکہ پہلے کی پانچوں باتوں کو تو جن سے ظاہر اور باطن درست ہوتا ہی دین کہتے ہیں

اور دین ہر ایک نبی کے ساتھ تھا اور ہر نبی کو انہی پانچ باتوں کی درستی کے لئے نبوت ہوئی تھی ” قال اللہ تعالیٰ شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحاً والذی اوحینا الیک وما وصینا بہ ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ “ یعنی اللہ صاحب نے سورۃ الشوریٰ میں فرمایا راہِ قادسیٰ تمکو دین میں دہی جو کھدیا تھا نوح کو اور جو حکم بھیجا ہم نے تیری طرف اور وہ جو کھدیا ہم نے ابراہیم کو اور موسیٰ کو اور عیسیٰ کو اس آیت سے معلوم ہوا کہ دین تو ہر نبی کا ایکسا تھا مگر دوسری بات میں جس سے حدیں مقرر ہو جاویں اور ہر کام کا ڈھب ٹھہر جاوے اور ہر ایک بات کی ایک صورت بن جاوے جدا جدا تھی اور اسی دوسری بات کو شریعت کہتے ہیں ” قال اللہ تعالیٰ لکل جعلنا منکم شرعاً و منها جا “ یعنی اللہ صاحب نے سورۃ المائدہ میں فرمایا ہر ایک کو تم میں دی ہم نے ایک شریعت اور راہ بس اب سمجھ لو کہ ہر ایک چیز کی ایک حد مقرر کرنے اور ہر کام کا ڈھب بتانے اور ہر ایک بات کی ایک صورت بتادینے کا نام شریعت ہی مثلاً نماز پڑھنی اور شرک نہ کرنا اور زنا سے بچنا یہ تو اصل دین ہی کہ ہر نبیوں کے وقت میں تھا اور نماز کی بھی حد مقرر کر دینی اور وقت ٹھہرا دینے اور رکعتیں مقرر کر دینی اور شرطیں لگا دینی اور نکاح میں گواہوں کا ہونا اور مہر کا بندھنا اور بد شکونی ماننے سے ایک طرح کا شرک ہو جانا اور اللہ کے سوا دوسرے کی قسم کھانے میں بھی ایک طرح کا شرک ہو جانا اور زنا اسی کو کہنا جہاں زنا نہ ہونے کا شبہ نہ ہو اور پھر زنا کی بھی حد معین کا مقرر ہونا اور اسپیلرچ کی اور بہت سی باتیں جو شریعت میں مقرر ہیں اسکا قام شریعت ہی جو بخوبی شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں پوری ہو چکی جس میں اب گہٹانے بڑھانے کی حاجت نہ رہی اور جن باتوں کی حدیں اور جن چیزوں کی صورتیں شارع نے مقرر کر دی ہیں وہ دو طرح پر ہیں ایک تو یہ کہ اگر فلاں کام اس طرح پر کیا جاوے گا تو شرع میں وہ نہ ہونے کی برابر ہی دوسرے یہ کہ اگر فلاں کام اس صورت پر ہوگا تو شرع میں بہت اچھا اور اللہ کے نزدیک بہت بہتر ہی جیسے نماز میں کھڑا ہونا اور گچھہ اکلم اللہ پڑھنا اور رکوع اور سجدہ کرنا یا نکاح میں ایجاب و قبول ہونا کہ یہ سب باتیں ضرور ہیں اور ان کے بغیر وہ کام نہ ہونے ہی کی برابر ہی یا مثلاً نماز میں مقرر کر دینا کہ اتنی دیر تک کھڑا رہنا اور اتنی دیر تک بیٹھنا اور اتنی دفعہ تسمیحات پڑھنی بہتر ہیں اور اللہ کے نزدیک اچھی یا مثلاً پانچوں نمازوں کے وقت مقرر کر دینے اور رمضان کا مہینہ روزوں کے لئے ٹھہرا دینا اور عید کے مہینہ کی پہلی تاریخ اور بقرہ عید کی دسویں تاریخ عید کے لئے مقرر کر دینی ایسی باتیں ہیں کہ اگر اپنے وقتوں میں نکلا جاوے تو ہونا نہ ہونے کی برابر ہی یا مثلاً رمضان کی راتوں اور شعبرات کی رات میں عبادت کوئی اور آفتاب نکلنے کے بعد و شراق کی نماز پڑھنی اور آمدی رات کے بعد تہجد کی نماز ادا کرنی اور ایام بیض اور شش عید اور عرفہ اور عاشورہ اور شجرات کے روزے رکھنے اور ساتویں دن عقیقہ کرنا اور جمعرات کے دن

سفر كو آانا ايسى آيزين هين كه اكر ايتے دلوں ميں يهه كام كيئے آاوين تو الله كے نزديك بهت بهتر هى يا مثلاً ياك آكهه كام نماز كے ليئے مقرر كرنا اور شهرؤں هي ميں جمعہ كي اور عيد كي نمازؤں كا هونا اور اعتكاف كے ليئے مسجدؤں هي كا آهرانا اور حج كے ليئے كعبه الله هي آانا ايسى آيزين هين كه اكر اسي طرح نهؤں تو اُنكا هونا نهونا برابر هى يا مثلاً فرضؤں كے ليئے اور نكاح باندھنے كو مسجدؤں كا معين هونا اور نفل اور كلام الله پڑھنے كو گهروں كا آهرانا اور جامع مسجد جمعہ كي نماز كو اور جنگل عيد كي نماز كو معين كرنا ايسى باتين هين كه اكر اسطرح پڑھو تو الله كے نزديك بهت بهتر هى يا مثلاً نماز ميں ركعتؤں كي گنتي آهيراديني روزؤں كا شمار بنادينا كفاره ميں محتاج كهلانے كي گنتي مقرر كرديني يا خريد فروخت كے معاملہ ميں تين دن تك كا اختيار دينا ايسى باتين هين كه اكر اسطرح نهؤں تو اُنكا هونا نهونے هي كي برابر هى يا مثلاً نفلؤں ميں ركعتؤں كي گنتي مقرر كرديني اور جيئسے صلواة التسبيح ميں تسبيحات كا شمار بنادينا يا هر بات ميں طاق كا اچھا هونا ايسى باتين هين كه اكر اسطرح پڑھو تو الله كے نزديك بهتر هى عرض كه جتني باتين دنيا ميں هين كيا شادي كي اور كيا غمي كي اور كيا عبادت كي اور كيا عادت كي اور كيا معاملہ كي سب كے ليئے الله صاحب نے ايك حد مقرر كردي هى اور وه حد دو طرح پڑھى يا يهه كه اكر اِس حد كو توڑا آاويكا تو الله كے نزديك اُس كام كا هونا نهونے كے برابر هوكا يا يهه كه هو تو آاويكا مگر جس طرح كه حد كے فہ توڑنے ميں الله كے نزديك ثواب اور درجہ تھا اُتنا ثواب اور درجہ نهين هوكا “ كما قال الله تعالى و تلك حدود الله و من يتعد حدود الله فقد ظلم نفسه “

يعني الله صاحب نے سورة طلاق ميں فرمايا اور يهه حدين هين الله كي باندھي اور جو كوئي بڑھه الله كي حدؤں سے تو اُس نے بُرا كيا اپنا اِس آيت سے معلوم هوا كه هر كام كي جو الله صاحب نے حدين مقرر كردين هين اُن كو فہ توڑنا يعني اُن ميں كي بيبي نكرني شريعت پڑ چلنا هى بلكه جن لوگوں كو الله تعالى نے نور معرفت كا ديا هى اور اتباع اپنے حبيب كا نصيب كيا هى اُن كو تو اِن باتؤں كا يهلئ تك خيال رھنا هى كه جتنے احكام شرع كے هين اُن ميں بهي غور كرتے هين كه جن آيزؤں كے بجالانے كا تاكيد كي حكم هى اُنكے بجالانے ميں اُن حكمؤں كے بجالانے سے جنميں اتني تاكيد نهين هى زياده سعي اور كوشش كرتے هين مثلاً نماز ميں سب آيزؤں كے ادا كرنے كا حكم هى مگر جتني تاكيد كه اُس كے اركان درست كرنے پڑھى اُني اور آيز پڑھين يا جتني تاكيد وضو كر كر نماز پڑھنے پڑھي اُني سيدھا قبلہ كي طرف كھڑا رھنے پڑھين كيونكه اكر آهورا سا قبلہ سے كيج هو تو بهي نماز هو جاتي هى يا مثلاً جيئسے الحمد پڑھنے پڑھي ايسى اور سورت كے پڑھنے پڑھين كيونكه اخير ركعتؤں ميں پڑھي نهين جاتي اور اسي طرح جيئسي تاكيد پھلي دو ركعتؤں كے ادا كرنے ميں هى ويئسي اخير كي دو ركعتؤں ميں نهين كيونكه سفر ميں نهين

پڑھی جاتیں غرض کہ ہر ایک کام کرنے کی ایک حد شرع میں مقرر کر دی ہے اُس حد کو توڑنا نہیں چاہیئے اور اسی واسطے رسول مقبول نے فرمایا ہے کہ ”ان الله حد حدوداً فلا تضیعوها“ یعنی اللہ صاحب نے ہر کام کی حدیں مقرر کر دی ہیں اُن کو نہ کھوؤ غرض کہ جس چیز کا نام شریعت معصیہ ہے اُس کے احکام کو ہی طرح پر ہیں یا تو اُن سے ہر چیز کی حدیں بھرائی گئی ہیں اور یا ہر حکم کے درجہ مقرر کیئے گئے ہیں پس اُس پہلی حدیث میں جو ما کا لفظ آیا ہے اُس سے یہی باتیں مراد ہیں یعنی جو کوئی دین کی باتوں میں کوئی چیز خواہ وہ کسی چیز کی حد مقرر کر دینی ہو یا ایک جگہ کی چیز دوسری جگہ بھرا دینی ہو یا ایک کا مرتبہ بڑھا دینا اور دوسرے کا گھٹا دینا ہو نکالے تو وہ بات مردود ہے اب تم کو جب اِس ما کے لفظ کے معنی معلوم ہو گئے تو اب اِس قسم کی بدعت کے یہہ معنی بھرے کہ دین کی باتوں میں جو نئی نئی حدیں مقرر کرنی یا نئی طرح کا ڈھنگ اور موقع دین میں بھرا دینا کہ نہ وہ رسول اللہ کے وقت میں تھا اور نہ اُس کی مانند اور نہ اُسکا رواج صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کے وقت میں تھا اور نہ اُس کی مانند اور کوئی شخص اُس بات کو یوں جان کر کرے کہ فلاں دین کی بات کے ہونے کا اِسی پر مدار ہے یا اِس بات کا ہونا اللہ کے نزدیک اچھا اور بہتر ہے یا کسی دین کی چیز کو اس طرح پر سمجھ کر چھوڑ دے کہ اِس کے ہونے سے دین کی فلاں بات ہونے ہی کے برابر ہے یا اس کے ہونے سے اُس کا ثواب گھٹ جاتا ہے تو یہہ ہی بدعت ہے مگر اتنا فرق ہے کہ پہلی تو نہایت بدعت تھی کہ اُس کی اصل ہی شرع میں نہ تھی اور یہہ بدعت اُس سے اُتر کر ہے کہ شرع میں جو بات تھی اُس پر ایسی چیزیں اُڑ لگادی ہیں کہ جو شرع میں نہ تھیں اور اسی سبب یہہ بدعت ہو گئی جس کے حق میں رسول مقبول نے فرمایا ”من احدث فی امرنا هذا مالیس منه فهو رد“ یعنی جس شخص نے کہ نئی بات نکالی ہماری اِس شریعت میں جو اُس میں سے نہیں ہے تو وہ نئی بات مردود ہے اِس سارے بیان سے معلوم ہوا کہ بدعت کا مدار عقیدہ پر ہے یعنی جو چیز کہ اللہ کے نزدیک فائدہ مند نہیں ہے اُس کو فائدہ مند جاننا اور جو چیز کہ اللہ کے نزدیک مضر نہیں ہے اُس کو مضر سمجھنا بدعت ہے لیکن اِس کے سوا ایک اور قسم کی بھی بدعت ہے کہ جو بغیر اعتقاد کے بی بدعت ہی ہو جاتی ہے اور اِس قسم کی بدعت میں ہزاروں زن و مرد گرفتار ہیں *

تیسری قسم کی بدعت کا بیان

اور وہ یہہ ہے کہ دین کی باتوں میں جو نئی بات نکالی ہو اُس کے کرنے میں بھلائی اور نہ کرنے میں بُرائی کا تو اعتقاد نہ رکھتا ہو لیکن اُس کو اس طرح پر کرتا ہو یا اُس کے نہ کرنے میں ایسا اہتمام نہ کرتا ہو کہ جیسا اُس چیز کی بھلائی یا بُرائی پر اعتقاد رکھنے

والی بجالاتے ہیں ” عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من تشبہ بقوم فهو منهم “ یعنی مشکوٰۃ شریف کے باب اللباس میں ابن عمر سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ انہوں نے یہ بات کہی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جو شخص کسی قوم کی مشابہت کرے وہ انہی میں سے ہے۔ اس حدیث میں تشبیہ کا لفظ آیا ہے جس کے معنی مشابہت کرنے کے ہیں اور دو چیزوں میں چوری مشابہت جب ہوتی ہے جب دیکھنے والا ان دونوں کو دیکھ کر پہچان نہ سکے کہ یہ چیز کونسی ہے اور وہ چیز کونسی اور اس حدیث میں نری مشابہت کا لفظ آیا ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی بات میں مشابہت کرے خواہ کھانے میں خواہ پہننے میں خواہ بولنے میں خواہ عبادت میں خواہ عبادت میں خواہ معاملہ میں وہ اُن ہی لوگوں میں سے ہوگا جنکے ساتھ مشابہت کی ہے اب غور کرو کہ جس شخص نے دین میں نئی بات نکلی ہوئی کو اختیار کیا ہے اور گو وہ شخص اُس نئی بات کے کرنے میں بھلائی اور نہ کرنے میں برائی کا اعتقاد نہ رکھتا ہو لیکن جب وہ شخص اُس نئی بات کو اسی طرح بجا لاتا ہے جس طرح کہ اُس چیز کی بھلائی یا برائی پر اعتقاد رکھنے والے بجالاتے تھے تو اس شخص نے بھی اُنہی لوگوں کی مشابہت کی اس سبب سے اُنہی لوگوں میں گنا گیا اب خیال کرو کہ وحدت وجود کا مسئلہ جو اس زمانہ کے پیروں اور پیرو زندوں میں پھیل رہا ہے اور مولوی بھی اُس کو سن کر گردن فہچتی دالتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بابا فقہروں کی باتوں میں دم نہیں مارا جانا اور اس مسئلہ کو غایت عرفان اور موجب نہایت قربت الی اللہ کا مستحبہ رکھا ہے تو یہ اعتقاد تہمت بدعت ہے کیونکہ یہ باتیں نہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں تھیں نہ صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کے وقت میں اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات پاک میں گفتگو کرنی کہ کیسا ہے اور کہاں ہے اور کیونکر ہے یا جبر و اختیار کے مسئلہ میں الجھنا یا دیدار الہی کے معنی بتانے کہ اس طرح پر ہوگا یا کلام اللہ کی متشابہ آیتوں اور متشابہ حدیثوں میں بھٹ کر نی اور خواہ غفراہ اُس میں معنی پہنانے یا حکیموں اور فلسفیوں کے مذہب کی کتابیں پڑھنی اور ہمیشہ اُسی میں اوقات ضایع کرنی اور اُس سے ثواب ملنے کی توقع رکھنی تہمت بدعت ہے اور یوں ہی بطور رسم کے لوگوں کی ریسارچس پڑھنا اور اُس پر ایسا اہتمام کرنا جیسا کلام اللہ اور حدیث اور فقہ کے پڑھنے پر چاہیئے تھا جس طرح کہ ہمارے زمانہ کے لوگ کرتے ہیں اور چار کتابیں منطق کی پڑھ کر مولوی بن بٹھتے ہیں اور جس نے ان کتابوں کو نہ پڑھا ہو اور جو حدیث و فقہ خوب جانتا ہو اُس کو چاہل اور دلوں سے گرا ہوا سمجھتے ہیں تو اس طرح کا بھی پڑھنا بدعت ہے گو اُس میں ثواب ملنے کا اعتقاد نہ رکھتا ہو کیونکہ اس نے بھی ان کتابوں کے پڑھنے پر ایسا ہی اہتمام کیا ہے جیسا کہ ثواب ملنے کا اعتقاد رکھنے والے کرتے ہیں البتہ بقدر ضرورت

کے پوہ لینا اور سب کو مقصود بالذات نہ سمجھنا اور اسی میں غلطی پھینچاں نہرہنا دوسری بات ہی اور اسی طرح اکثر فقیروں نے جو طریقے زہد و ریاضت اور مراقبہ اور ذکر اور شغل کے خلاف سنت نکالے ہیں اور ان سے کشف و کرامات حاصل کرتے ہیں ان کا بھی یہی حال ہی کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و سلم نے جو رستے صفائی باطن اور تقرب الی اللہ کے بتادیئے ہیں اور صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کے برتاؤ میں رہے ہیں اُس کے سوا دوسری بات نکالنی جسکا ٹھکانا نہ جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ و سلم کے وقت میں تھا اور نہ صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کے وقت میں تو وہ بات تھیبت بدعت ہی اور اسی طرح تعویذ طومار گندے پلٹے کرنے اور کسی گندے کے سبب انڈا مرغی کا کھلانا اور کسی پلٹے کے باعث ہرن کا گوشت کھانا چڑھانا یہ بھی بدعت ہی کیونکہ اس طرح کی باتیں نہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و سلم کے وقت میں تھیں نہ صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کے وقت میں البتہ جن جن دعاؤں کا پڑھنا یا دم کرنا جس طرح پر کہ حدیثوں میں آیا ہی انہیں کو اُسی طرح پر کرنے میں کسی کو کلم نہیں کلم تو اُس میں ہی کہ جو اِس زمانہ کے پھوڑادوں اور مولوی زادوں نے حدیث کی دعاؤں کو چھوڑ کر اپنے باپ دادا کے عمل اعمال نکالے ہیں اور اسی طرح بعضے مشایخوں نے جو نئی نئی طرح کے ذکر نکالے ہیں اور انکی ضربیں مقرر کی ہیں اور اُس کی گنتی تھرائی ہی اور پھر کا تصور کر کر مراقبہ کرنا نکالا ہی اور اسی طرح بہت سی باتیں شریعت حقہ مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں بڑھا دی ہیں جنکا ٹھکانا نہ حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و سلم کے وقت میں لگتا ہی اور نہ صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کے وقت میں اور پھر ان سب باتوں کو دینداری سمجھ کر اور ثواب ملنے کا اور اللہ صاحب کے دربار میں مرتبہ بڑھنے کا اعتقاد رکھ کر کرتے ہیں یہ سب باتیں بھی تھیبت بدعت ہیں اور جو لوگ ان باتوں کو صرف وسیلہ جان کر اسن طرح پر سعی کرتے ہیں جس طرح پر کہ ثواب ملنے اور اللہ کے دربار میں مرتبہ بڑھنے کے اعتقاد رکھنے والے کرتے ہیں تو ان کی نسبت بھی مشابہت کے سبب بدعت ہی میں داخل ہی البتہ جن لوگوں نے کہ نہ ان باتوں کو مقصود اصلی سمجھا اور نہ اس طرح پر اوڑھنا بچھونا بنایا اور نہ شریعت کے مسئلوں کی مقابل طریقت کے مسئلہ تھرائے بلکہ بعضی دفع کسی مصلحت سے کسی کی نسبت کوئی بات بنا دی اور یہ سبز باغ دکھا کر شرع محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر قائم کردیا اور پورا پورا سنی مسلمان بنادیا تو وہ دوسری بات ہی اور اسی طرح بزرگوں کے نام پر ختموں کا کرنا اور یہ بات تھرائی کہ فلاں ختم میں اتنے آدمی ہوں اور فلاں ختم فلاں وقت ہو اور فلاں توشہ میں یہی چھوڑ ہو اور فلاں کوندے میں فلاں چھوڑ دھری جاوے اور بیوی کی صحبت اس طرح پر نکالی جاوے اور اُس کو ایک خصمہوں کے سوا کوئی نہ کھارے اور بھری کی پڑیا اِس طرح لال نازے سے باندھی جاوے

اور اسی طرح کی آڑ ہزاروں باتیں جو اس زمانہ میں مروج ہیں اور اُنکے کرنے میں بھلائی اور نکرے میں بھائی کا اعتقاد رکھتے ہیں یہ سب باتیں تہمت بدعت ہیں اور اسی طرح راگ کی محفل کرنی اور توالوں سے خالی معرفت کی غزلیں گوانی یا ڈھولکی سا رنگی تال تنبورہ بھی بچوانا اور حال تال کی مجلس نام رکھنا اور مرثیہ خوانی اور کتاب خوانی کرنی ماتم کرنا تعزیے بنانے شدے نکالنے لوگوں کو جمع کر کے قبروں پر جانا اور اُنپر بیٹھ کر بیٹھ کر مراقبہ کرنا اور اس بات کو اللہ کی رضامندی کا باعث سمجھنا قبروں پر جاکر مُردوں سے مدد مانگنی قبروں کو چومنا آستانوں کا بوسہ لینا گال رگڑے قبروں پر پھولوں کی چادر ڈالنی غلاف چڑھانے قبروں کو غسل دینا اور اُس کا پانی آب زمزم کی طرح بانٹنا اور لحد بنانے کو ثواب سمجھنا قبروں پر روشنی کرنی اور میلہ جمع کرنا اور عرس نام رکھنا ناچ کرنا اور بسنت کا بہانہ لینا اگر کوئی مسلمان منع کرے تو حضرت امیر خسرو سے منکر جاننا اور ترت رہابی کھدینا مُردے کے لیئے نماز ہول کا پڑھنا دفنانے کے بعد اذان کا دینا اور اسی طرح کی ہزاروں باتیں جو خلاف سنت رایج ہوگئی ہیں اور اُن کو ثواب سمجھ کر کیا جاتا ہے یہ سب کی سب باتیں تہمت بدعت ہیں اسی طرح حضرت امام حسین کی فاتحہ کو محرم ہی کا مہینہ مقرر کرنا اور مولود شریف پڑھنے کو بارہ وفات ہی کا مہینہ تہرانہ اور مُردوں کی فاتحہ کو تیجے اور دسویں اور بیسویں اور چالیسویں اور تہماہی اور چھ ماہی اور برسی کا مقرر کرنا بزرگوں اور پرانے مُردوں کی فاتحہ کو اُنکے مرنے ہی کے دن باندہ لینا یہ سب باتیں بھی بدعت ہیں اس کی ایسی مثال ہی کہ جیسی قربانی کرنی تین دن تک درست ہی مگر عین بقر عید کا دن ایسا ہی کہ اگر اُسی دن قربانی کیجاوے تو زیادہ ثواب ہی اس واسطے جن لوگوں کو اللہ نے توفیق دی ہی وہ پہلے سے بکرے بھی خریدتے ہیں اور باوجودیکہ اُن دنوں میں بکرے مہینے بھی ہاتھ لگتے ہیں مگر گرانی قیمت پر کچھ خیال نہیں کرتے اور باوجودیکہ اُس دن نماز کو عید گاہ میں بھی جانا ہوتا ہی اور فرصت بھی کم ہوتی ہی اور اُس دن گوشت بھی بہت سا ہوتا ہی کہ گوشت کھاتے کھاتے جی بھی بھر جاتا ہی مگر اِن باتوں میں کسی کا بھی خیال نہیں کرتے اور سو طرح کے ہرج کر کے اُسی دن قربانی کرتے ہیں مگر اُس دن کو ناغہ نہیں ہونے دیتے پس اس طرح کے مقرر کرنے کا نام تو شریعت ہی کہ اُس سے ہر کام کا وقت اور ہر بات کی ایک حد مقرر ہوگئی ہی اب اس طرح آڑ کسی چیز کو اپنے آپ مقرر کر لینا بدعت ہو جاتا ہی اب دیکھو کہ حضرت امام حسین کے لیئے کھانا پکانا اور بھوکوں کو کھلانا اور اُس کا ثواب حضرت امام حسین کو دینا ثواب کی بات ہی مگر خاص محرم کا مہینہ مقرر کر لینا بدعت ہی اس واسطے کہ کسی کام کے لیئے کوئی دن یا مہینہ یا وقت مقرر کرنا تو شرع کا کام تھا تو پھر جس شخص نے کہ حضرت امام حسین کی فاتحہ کو محرم

کا مہینہ اپنی طرف سے مقرر کر لیا اُس نے شریعت میں ایک نئی بات نکالی اور شریعت میں نئی بات کا نکالنا بدعت ہی پھر جو شخص محترم ہی میں حضرت امام حسین کی فاتحہ دینا زیادہ ثواب سمجھتا ہی تو اُس کے حق میں تو دوسری قسم کی بدعت ہی اور جو شخص کہ زیادہ ثواب ملنے کا تو اعتقاد نہیں کرتا ہمیشہ محترم ہی میں کیا کرتا ہی جس طرح کہ زیادہ ثواب ملنے کا اعتقاد رکھنے والے کیا کرتے ہیں تو اُس کے حق میں تیسری قسم کی بدعت ہی اسی طرح جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرنا اور اُن کے حالات اور سوانح عمری کا بیان کرنا اور اُن کی عادتوں اور عبادتوں اور خصلتوں کا یاد کرنا دونوں جہان کی سعادت ہی مگر اب مولود شریف کی مجلس میں جو اپنی طرف سے یہ بات ٹھہرا لی ہی کہ بارہ وفات ہی کا مہینہ ہو اور خواہ اُڑ حالات حضرت کے بیان کیئے جاویں یا نجاویں مگر حضرت کے پیدا ہونے کا ضرور حال بیان کیا جاوے تو یہ باتیں مقرر کرنی شرع میں نہیں آئیں اس سبب سے ان کا اپنی طرف سے مقرر کر لینا بدعت ہی اسی طرح مرنے کے ثواب کے لیئے کھانا بانٹنا اور للہ دینا بھوکوں کو کھانا ثواب ہی لیکن اِس کام کے لیئے اپنی طرف سے تیجے اور دسویں اور بیسویں اور چالیسویں اور تہائی اور چھ ماہی اور برسی کا دن مقرر کرنا بدعت ہی اسی طرح کسی مُردہ کی فاتحہ کو عین اُس کے مرنے کا روز مقرر کر لینا کہ آندی جائے یا مہینہ جائے سو طرح کے ہرج کر کر اُسی دن فاتحہ دلائے یہاں تک کہ اگر اُس دن کچھ پاس نہ تو بنئے ہی کے ہاں سے گزرا گھی آتا قرض لے لے اور حلوا مانڈ پکالے اور اگر کہیں سفر کو جانا ہو تو کہے کہ کل دادا جی کی فاتحہ کا دن ہی کہوں کر چلا جاؤں فاتحہ دیکر پرسوں جاؤنگا ایک دن اُڑ تھر جاؤں غرض کہ ہزار کام ہرج کرے یہاں تک کہ حدیث کا پڑھنا پڑھانا چھوڑے جماعت کے جاتے رہنے کا خیال نہ کرے مگر اُس دن فاتحہ دلائی نہ چھوڑے تو یہ بات یہی بدعت ہی پھر اگر وہ شخص یوں عقیدہ رکھتا ہی کہ ان دنوں میں زیادہ ثواب ملتا ہی تو اُس کے حق میں تو دوسری قسم کی بدعت ہی اگر وہ شخص اُس دن فاتحہ دینے سے ثواب زیادہ ملنے کا اور اُڑ دن میں کم ملنے کا یا اِس بات کا کہ یہ دن اُڑ دنوں سے اچھا ہی یا اُڑ دن بُرے ہیں اعتقاد تو نہیں رکھتا مگر یہ شخص اِس بات کو اس طرح پر کرتا ہی اور اِس تہنگ سے برتا ہی جس طرح کہ ان باتوں کے بھلے بُرے ہونے کا اعتقاد رکھنے والے برتتے ہیں تو اُس کے حق میں تیسری قسم کی بدعت ہی اور اسی طرح کلم اللہ پڑھ کر مرنے کو بخشنا اکثر عالموں کے نزدیک ثواب کی بات ہی کھانا پکا کر اور اُس پر ہاتھ اُٹھا کر فاتحہ دینی اور الحمد للہ پڑھنی اور اگلے پچھلوں کا نام لینا جیسا کہ اِس زمانہ کے لوگ کرتے ہیں یہ بھی بدعت ہی پھر اگر یہ شخص یوں سمجھتا ہی کہ بغیر فاتحہ دینے کے کھانے کا ثواب مرنے کو پہونچتا ہی نہیں جیسے کہ اکثر عوام یوں ہی

جانتے ہیں تو اُس کے حق میں دوسری قسم کی بدعت ہی اور اگر وہ شخص یوں تو نہیں جانتا مگر اُس کو اسی طرح کرتا ہی جس طرح کہ اُس بات کا اعتقاد رکھنے والے کرتے ہیں تو اُس کے حق میں تیسری قسم کی بدعت ہی اور اسی طرح جو عورت کہ راند ہوگئی اور باوجودیکہ اپنے خصم کے مرجانے سے جو اُس کی روٹی کپڑے کی خبر لیتا تھا نہایت مفلس ہوگئی ہی اور در بدر بھیک مانگتی پھرتی ہی اور خصم کرنے کو جی چاہتا ہی اور سب طرح کی باتیں جی میں آتی ہیں اور وہ عورت ان سب باتوں پر صبر کرتی ہی مگر دوسرے خصم کرنے کا نام نہیں لیتی کہ ہجولیوں میں بڑی نیک بغض بھوی کا دانہ کھانے والی کھلاؤں پہر گو وہ عورت ان باتوں کو اچھا نہ کہتی ہو اور دوسرا نکاح کرنے کو بُرا بھی نہ جانتی ہو مگر اُس نے اس بات کو اس طرح پر برتا ہی جس طرح کہ ان باتوں کے بُرے ہونے کا اعتقاد رکھنے والے برتتے ہیں اس واسطے اُس عورت کا ان باتوں پر صبر کرنا بھی بدعت ہی اس کے سوا ایک آؤر بات بھی ہی کہ اللہ صاحب کی طرف سے اسلام کی نشانیاں پر سعی اور کوشش کرنے کا حکم ہی پھر اسلام کی نشانیاں کے سوا آؤر کسی بات پر اس طرح سے سعی کرنی جس طرح کہ اسلام کی نشانیاں پر سعی اور کوشش کرنی چاہیئے تھی تو یہ کام خلاف حکم اللہ صاحب کے کرنا ہی جیسے کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے حجة اللہ البالغہ میں لکھا ہی کہ دور دور سے قبروں کی زیارت کو آنا نہیں چاہیئے تاکہ جو چیزیں کہ اسلام کی نشانیاں میں سے نہیں ہیں اسلام کی نشانیاں میں مل نہ جاویں یعنی دور دور سے آنے کا حکم شرع میں کعبۃ اللہ اور مدینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بیت المقدس ہی کے لیئے ہی پھر اگر کوئی شخص کسی بزرگ کی قبر یا لحد یا چلہ گاہ کی زیارت کو دور دور سے قصد کر کر آوے تو اُسکا اس طرح پر سفر کرنا اسلام کی نشانیاں یعنی کعبۃ اللہ اور مدینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بیت المقدس کے سفر سے مشابہہ ہو جاتا ہی اور یہ بات شرع کے برخلاف ہی تو اس سے معلوم ہوا کہ جو بات اسلام کی نشانیاں میں سے نہیں ہی اُس پر اسی طرح سعی کرتے ہیں جس طرح کہ اسلام کی نشانیاں پر سعی کرنے کا حکم ہی بدعت ہی ہو جاتی ہی خواہ اُس کے اچھے بُرے ہونے کا اعتقاد ہو یا نہ *

تیسری قسم کی بدعت کا ضمیمہ

مثلاً نکاح کے وقت گواہوں کا ہونا اور ولی کی اجازت دینا شرعاً ضرور ہی یہاں تک کہ اگر گواہ نہیں یا ولی اجازت نہ دے تو نکاح کو موقوف رکھتے ہیں اور جو نقصان ہو اُس کو گوارا کرتے ہیں اسی طرح اگر کوئی شخص بسبب مفلسی کے اور جہیز نہونے یا ولیمہ کا کھانا میسر نہونے کے یا کسی یوائی بند عزیز اقربا کے سوگئی ہونے کے نکاح کو بڑھا دے تو یہ بھی بدعت ہی پھر اگر اس کے اچھا ہونے کا اعتقاد رکھتا ہی تو اُس کے حق میں تو دوسری

قسم کی بدعت ہی اور اگر اُس کے اچھا ہونے کا اعتقاد نہیں رکھتا مگر اِس بات کو اِس طرح پر کرتا ہی اور اِس ٹھنک سے برتنا ہی کہ گویا اِن باتوں کے بھلے بُرے ہونے کا اعتقاد ہی ہی اِس سبب سے یہ بھی بدعت ہی ہی کیونکہ اشخص نے اِس رسم کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جیسا کہ اُن چیزوں کے ساتھ کرتا چاہیئے تھا جنکے کرنے سے شرعاً بھلائی اور نکرے سے شرعاً بُرائی حاصل ہوتی ہی اِسی طرح جن لوگوں نے اپنی رفتار گفتار نشست برخاست کا ایک ڈھکوسلہ بنا رکھا ہی اور اُسی کے پیچھے رب ہو رہے ہیں اور کچھ ہی ہو جاوے جو وقت کہ حضرت کے باہر تشریف لانے کا ہی اُس کے سوا اُور وقت تشریف لانے ہی کے نہیں اور جو وقت آپکی بات کرنے کا ہی اُس کے سوا بات کرنے ہی کے نہیں اور جیسی تُوپی چار ترکي دادا جان پہنتے آئے ہیں اُس کے سوا اُور طرح کی تُوپی پہننے ہی کے نہیں اور جو چیز کہ باروا جان ہاتھ میں رکھتے تھے اُس کو یہ بھی ہاتھ سے چھوڑنے ہی کے نہیں اور جس مسجد میں کہ اُن کے پیر نے نماز پڑھی تھی اُس کے سوا اُور کسی مسجد میں نماز پڑھنے کے نہیں کوئی مرتا مگر کہوں نجارے آپ عبادت کو تشریف لانے ہی کے نہیں جو دن کہ اپنے مُريدوں اور معتقدوں کے جمع کرنے کا ہی اُس دن کو فائدہ کرنے ہی کے نہیں پیر نے اگر کسی سبب سے نکاح نہیں کیا تو اب یہ بھی باوجود خواہش اور مقدر ہونے کے درویشی کو بتہ نہ لکنے کے لیئے کرنے ہی کے نہیں مفلسی کا حال تو یہ پہونچا ہی کہ فائدہ پر فائدہ ہوتا ہی اگر بڑی وضع داری کی تو سوال نکلیا مگر رواں رواں پڑا سوال کرتا ہی لیکن یہ صاحب اپنے پیر کا نام روشن رھنے اور اپنے خاندان کے نام نہ ڈبونے کو محنت مزدوری پیشہ کرنے ہی کے نہیں جب تک کہ جھک کر تسلیمات نہ کی جاوے اور قدم آنکھوں سے نہ لگائے جاویں حضرت کا مزاج خوش ہونے ہی کا نہیں سلام و علیک کا جواب زبان سے نکلنے ہی کا نہیں قدم چومتے وقت سر پر ہاتھ پھرنے کے سوا مصافحہ کو کبھی ہاتھ آٹھنے ہی کا نہیں جب تک کہ حضرت صاحب اور شاہ صاحب اور میان صاحب اور مولوی صاحب کہہ کر بات نہ کی جاوے تیوری کا بل اُترنے ہی کا نہیں جیسے کہ ہمارے زمانہ کے مولویوں اور فقیروں اور سجادہ نشینوں اور خانقاہیوں اور قلندریوں اور مداریوں اور جلالیوں اور رسول شاہیوں اور اسی قسم کے لوگوں میں رواج پارہا ہی پھر گو اُن کو اُس کی عبادت ہونے کا عقیدہ نہو بلکہ صرف اپنے باپ دادا کی رسم جانتے ہوں اِس پر بھی یہ سب باتیں بدعت ہی میں داخل ہیں کیونکہ یہ لوگ اِن باتوں پر ایسی کوشش کرتے ہیں جیسی اسلام کی نشانیں پر کوشش کرنی چاہیئے بلکہ جو لوگ اُس کو بڑی خوبی اور نہایت دین داری جانتے ہیں اُن کے حق میں خاصی بدعت ہی کیونکہ یہ طریقہ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا اور نہ حضرت کے صحابہ کا اور نہ تابعین کا بلکہ صحابہ کا تو یہ حال تھا کہ سب آپس میں پاروں کے پار تھے پھر انہوں نے جو ایک شاخسانہ لگایا اور سب

بھائی مسلمانوں سے اپنے تئیں عمدہ ٹھہرایا اور کسی نے پھر زادہ پن اور کسی نے مولوی زادہ پن لگایا یہ بات کہاں سے ہی دونوں عالم کے سرتاج رسول مقبول کا تو یہہ حال تھا کہ اگر آپ کے یاروں میں سے کوئی شخص پکارتا تو آپ فرماتے لیبیک یعنی حاضر ہوں ان لوگوں کو کیا ہوا ہی جو اپنے تئیں آسمان پر چڑھاتے ہیں تاریخ طبری میں لکھا ہی کہ ایک دفعہ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تشریف رکھتے تھے آپ نے اپنے یاروں سے فرمایا کہ آج تو بکرے کے کباب بنانے چاہئیں سب نے عرض کیا کہ بہت بہتر پھر ان میں سے ایک صحابی نے کہا کہ بکرے تو میں ذبح کرتا ہوں دوسرے نے کہا کہ صاف میں کر دیتا ہوں تیسرے نے کہا کہ گوشت میں بنادیتا ہوں چوتھے نے کہا کہ پکا میں دیتا ہوں غرضکہ ہر ایک صحابی نے ایک ایک کام اپنے ذمہ لے لیا کہ جلدی سے کباب تیار ہو جاویں اصحاب تو ان کاموں میں لگے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم چپکے اوتھ کر جنگل میں چلے گئے اور لکڑیاں لے آئے صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ نے کیوں تکلیف کی یہہ بھی ہم کر لیتے رسول اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس بات کو بُرا جانتا ہی کہ کوئی شخص اپنے یاروں میں اپنے تئیں ممتاز بناوے اور یاروں میں شریک نہو رسول خدا کا جو دونوں عالم کے سرتاج تھے تو یہہ حال ہو ان لوگوں کو کیا مشیخت لگی ہی جو بھائی مسلمانوں کو حقیر اور ناچیز سمجھتے ہیں اب انصاف سے غور کر کے دیکھو کہ یہہ باتیں اگر بدعت نہیں ہیں تو کیا ہیں خلق محمدی پیدا کرنا سنت ہی یا نضوت فرعونی *

تیسری قسم کنی بدعت کا ضمیمہ

اسی طرح ہمارے زمانہ میں بعضی مباح چیزوں کا کہ جنکے کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں ایسی بُری طرح سے رواج ہوا ہی کہ باوجودیکہ وہ لوگ ان باتوں کو اپنے باپ دادا کی رسم سمجھ کر کرتے ہیں مگر وہ بھی بدعت ہی میں داخل ہو گئی ہیں بلکہ بعضوں کی نسبت تہنیت بدعت اور شرک تک نوبت پہنچ گئی ہی اسکا بیان یوں ہی کہ اگرچہ بعضے احکام شرع کے اللہ صاحب نے بعضی مصلحتوں کے واسطے مقرر کیئے ہیں جیسے کہ اللہ تعالیٰ کی یاد کرنے کو نماز کا پڑھنا اور سفر کی ماندگی کے سبب چار رکعتوں کی جگہ دو رکعتوں کا پڑھنا یا پھت نہونے کے شبہ رفع کرنے کو عدت تک دوسرا نکاح نہ کرنا لیکن بندوں کو چاہیئے کہ اس بات سے قطع نظر کریں کہ رب العالمین نے کس مصلحت سے یہہ حکم دیا ہی بلکہ اُسی طرح جیوں کا تیوں اُس حکم کے بجالانے پر سعی کریں خواہ وہ مصلحت اُس وقت بھی ہو یا نہو نہ یہہ کہ یوں کہیں کہ نماز تو اللہ کی یاد کرنے کو بنی ہی اور نماز میں تو ہم سے حضور قلب نہیں ہو سکتا مگر مراقبہ میں بڑا دل لگتا ہی آؤ نماز کے بدلے بھی مراقبہ کر لیا کریں اسمیں بھی تو اللہ ہی کی یاد ہی اور گو سفر کیسے ہی آرام کا ہو

مگر اُسہیں اس خیال سے کہ ہمکو ماندگی تو ہوئی ہی نہیں چلو پوری چار رکعتیں پڑھ لیں یا یہ کہ لہرہاری اور بیلداری میں تو سفر سے بھی زیادہ محنت ہوتی ہی لاؤ چار کی جگہ دو ہی رکعتیں پڑھ لیں یا یہ کہ اگر یقینی ہو جاوے کہ عزتِ پیمت سے نہیں ہی تو عدت کی راہ ندیکھیں اور دوسرا خصم کر لیں کیونکہ اس طرح کی باتیں کرنی بالکل خلاف شرع ہیں اور بھید اسمیں یہ ہی کہ شرع کے احکام اُن کے فائدوں سے قطع نظر کر کر خرد وہ حکم ہی بالذات مقصود ہو گئے ہیں پھر اُن حکموں کو اُسی طرح جیسوں کا تئوں اُن کے فائدوں سے قطع نظر کر کر بجالانا چاہیئے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے حکم کر دیا ہی خواہ اُسوقت بھی وہ فائدہ ہو خواہ نہ ہو اب سنو کہ اگلے زمانہ میں بعض عقل مندوں نے یہ خیال کیا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہی کہ جو چیز للہ دی جاوے پہلے اپنے عزیز اقربا محتاجوں کو دی جاوے اور پھر غیروں کو اس واسطے جب اُنہوں نے کسی مُردہ کو ثواب پہنچانے کے لئے کھانا بانٹنا چاہا تو پہلے اپنے عزیز اقربا کو دیا پھر ہوتے ہوتے اسبات کا یہاں تک رواج ہوا کہ لوگوں نے اُس مصلحت کو جسکے لئے یہ بات مقرر ہوئی تھی دل سے بھلا دیا اور مُردہ کی بھاجی ہی بانٹنے کو مقصود بالذات ٹھہرا دیا اور محتاج عزیز اقربا کے بدلے بڑے بڑے آدمیوں کے حصے بخرے مقرر ہو گئے اور ادلا بدلی تھر گئی اب یہ حال ہی کہ اگر ہزار طرح سے کھانا للہ دیا جاوے اور برادری میں بھاجی نہ بٹے تو اُس شخص پر ہزاروں طرح کی لعنت ملامت ہوتی ہی اور اگر برادری میں بھاجی بانٹی اور للہ ایک چانول کا دانہ اور سوکھی روٹی کا ٹکڑہ بھی نہ دیا تو اُس پر کچھ ببی نہیں کہنے کے اور اگر کوئی کھدے کہ میاں مُردہ کی طرف سے یہ صدقہ کا کھانا ہی تو ساری برادری لٹھ لے لے کے دوزے اور گالی سے بدتر جانے اور اُس کھانے کو ہاتھ تک نہ لگائے جیسے کہ ہمارے زمانہ میں تھکے اور دسویں اور بیسویں اور چالیسویں اور برسی کے کھانا بانٹنے اور بزرگوں کے عرس میں کھانا تقسیم کرنے کا دستور ہی بس تو اس طرح پر بھاجی بانٹنی ایک رسم پڑ گئی ہی جیسے گدھے کھایا کھیت جسکا پاپ نہ پن *

پھر اگر کوئی شخص اُسکو رسم ہی جانکر بھاجی بانٹے تو اُسکی نسبت بھی بدعت ہی میں داخل ہی کیونکہ جس طرح شرع کے احکام کو اُنکے فائدوں اور مصلحتوں سے قطع نظر کر کر بجالایا جاتا تھا اور اس بات کا خیال نہ رہتا تھا کہ اب ببی اُس میں وہ مصلحت اور فائدہ ہی یا نہیں اسی طرح اس شخص نے بھی اس رسم کے بجالانے میں اُس فائدہ سے جو اُس میں تھا قطع نظر کر کر سعی اور کوشش کی اور اگر کوئی شخص اسبات کو ثواب ملنے کا اعتقاد کر کر کرے تو اُس کی نسبت قہمت بدعت ہی کیونکہ جو چیز کہ اللہ کے نزدیک کچھ فائدہ مند نہ تھی اُس شخص نے اُسکو فائدہ مند سمجھ کر بجالایا اور یہی قہمت بدعت ہی اور اگر کوئی شخص اس بھاجی کو یا بزرگوں کے عرس کے کھانے کو

اس طرح پر سمجھ کر کرے کہ اُن مردوں کی ارواح مہرے طرف متوجہ ہوتی ہی اور وہ مردے سمجھ سے خوش ہوتے ہیں اور اُنکی توجہ اور خوشی سے مہرے لڑے کام نکلتے ہیں اور مہرے سر سبزی ہوتی ہی اور منجھڑ سے بلا تَل جاتی ہی جیسے اکثر لوگ بلکہ سب کے سب حضرت غوث الاعظم کی گیارہویں اور سترہویں وغیرہ اسی نیت سے کیا کرتے ہیں یا بڑے بیڑوں کی نیاز مانبتے ہیں اور اُس کے نکرے کو اپنے وبال کا سبب جانتے ہیں تو اس طرح پر سمجھ کر کرنا شرک ہی نوعبداللہ منہا غرضکہ جو مباح امر یعنی ایسی بات کہ جسکے کرنے سے شرع میں کچھ مضائقہ نہیں اس طرح سے لوگوں میں رواج پا جاوے کہ اگر کوئی اُسکو نکرے تو اُس پر طعنے تشنہ ہونے لگیں اور دُڑکار پھٹکار پڑنے لگے اور اُسکا رواج ثواب ملنے یا عذاب سے بچنے کو نہو بلکہ اپنے باپ دادا کی رسم تہر گئی ہو اور ایک دوسرے کی ریس پر کرتا ہو اُسکو رسم کہتے ہیں پس جتنی رسمیں شادی غمی مرنے جینے میں مروج ہو رہی ہیں سب کی سب بدعت ہی میں داخل ہیں کیونکہ اُن رسموں کے بجالانے پر وہ لوگ اسی طرح پر سعی کرتے ہیں جیسے اسلام کی نشانیں پر سعی کرنی چاہیئے تھی مثلاً اشرافوں میں یہ بلا پڑی ہی کہ دولہ کو تو تکہ کا بھی مقدور نہیں مگر مہر لاکھوں اور ہزاروں ہی کا باندھتے ہیں یہاں تک کہ اس پر قصہ ہوتا ہی اور برائیاں اُٹھ جاتیں ہیں اور شادیاں موقوف ہو جاتی ہیں اگرچہ مہر کا زیادہ باندھنا شرعاً ممنوع نہیں مگر جب اسہو اتنا اہتمام ہوتا ہی جیسے کہ ضروریات دین پر چاہیئے تھا تو یہ بھی گویا بدعت ہی میں داخل ہی یا یہ کہ مثلاً بڑے خاندانی اشراف تو ہیں مگر اُس اشرافت میں یہ خاک ڈالتے ہیں کہ باوجود فاقہ پر فاقہ ہونے اور نیت ڈاواں ڈول ہونے کی محنت مزدوری پیشہ حرفہ نہیں کرتے اور پھر اُسکو بڑی خوبی اور نہایت وضع داری سمجھتے ہیں یا ضرورت تو درپیش ہی اور سودا لانے کی حاجت مگر مشہخت کے مارے اور نواب زادہ پن نہ جاتے رہنے کے واسطے یا مولوی زادہ پن اور پھر زادہ پن میں بتا نہ لگنے کے لیئے سودا خریدنے نہیں جاتے اور اگر جبراً تھرا گئے بھی تو سودے والے کی دوکان پر سودا لیئے بیٹھے ہیں کہ کوئی ہمارے دادا جان کی رعیت ہی میں سے آجاوے یا طالب علم ہمارا شاگرد ہی مل جاوے یا کوئی مرید نظر پڑ جاوے تو اُس سے اُٹھوا کر لپیٹاویں اس قسم کی سب باتیں بدعت ہی میں داخل ہیں کیونکہ شریعت محمدیہ میں ایسی باتوں کے پیچھے پڑنا اور اُن کا اہتمام کرنا مقصود نہیں ہی اسی طرح بعضی رسمیں شگون اور بدشگونی کی کفار مشرکین میں جاری ہیں کہ وہ لوگ اُنکے ہونے کو شگون اور نہونے کو بد شگونی سمجھتے ہیں جیسے بعضے ہندوؤں میں بیابہ کے وقت مسی لگانی اور جمیع اقوام ہندوؤں میں نئیہ پہننے اور چوڑیاں ہاتھوں میں پہننے بلکہ بعضے وقتوں میں خاص ہری ہی چوڑیاں پہننے مروج ہیں اور وہ لوگ اُن رسموں کے ہونے کو شگون اور نہونے کو بد شگونی سمجھتے ہیں

ان رسموں کو مسلمانوں نے بھی اپنے ہاں اسی طرح ہو بہو رواج دیا ہی اور اسی طرح اُنکے بچالانے پر اہتمام کیا جاتا ہی جس طرح کہ ہندوؤں میں ہوتا ہی مثلاً کواری بیٹی کو کبھی مسی نہیں لگوانے کے بغیر۔ نتھہ کے کبھی بیاہ نہیں کرنے کے یہاں تک کہ اگر میسر نہوگی تو مانگ کر لوینگے کواری بھتی چنی ڈال کر کبھی دو موتیوں کی نتھہ نہیں پہنچگی اور راندۂ عورت کبھی نتھہ ناک میں نہیں ڈالنے کی چوڑیوں کا جوڑہ سہاگن ہی پہنچگی راندۂ نہیں پہننے کی اور اگر کسی کمبختی ماری راندۂ عورت نے چوڑیاں پہن بھی لیں تو کب پہنیں جب اُسکو ہمجولہوں نے کہا کہ اے بوا تو چوڑیاں کیوں نہیں پہنتی تیرے بھائی کو خدا جیتا رکھے تیرا بیٹا بیسا سو برس کا ہو نا بہن بد شگونی لکر جب اُس کمبختی ماری کی شامت آئی اور اُس نے چوڑیاں پہنیں پھر گو مسلمانوں کو اُنکے شکن اور بد شکن ہونے کا اعتقاد نہو لیکن جب اُسکے ساتھ وہ معاملہ کیا جاتا ہی جیسا مشرکین کرتے ہیں اور اُسکے بچالانے پر وہ اہتمام ہوتا ہی جیسا ضروریات دین پر چاہوئے تھا جنکے کرنے سے شرعاً بھلائی اور نکرے سے شرعاً برائی حاصل ہوتی ہی تو یہ ساری باتیں بدعت ہی ہیں اور اگر ان باتوں کے شکن اور بد شکن ہونے کا اعتقاد رکھے جیسے کفار مشرکین رکھتے ہیں تو پھر خاصا شرک ہو جاتا ہی نعوذ باللہ منہا غرضکہ اس طرح ہزاروں باتیں اشرافوں اور بھلے مانسوں اور کمینوں اور مولویوں اور مولوی زادوں اور پیڑ زادوں اور ملا سیانوں میں مروج ہیں کہ جنکا کچھ حد و حساب نہیں اور اُن باتوں کے پورا کرنے اور بچالانے پر اتنا اہتمام ہوتا ہی کہ جماعت سے نماز پڑھنے کا بھی اتنا خیال نہیں اور جب آدمی انصاف کر کر اور اپنے باپ دادا اُستاد پیڑ کی رسموں کی محبت دل سے نکال کر اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی محبت دلوں چما کر دیکھیگا تو خود انصاف کر لیگا کہ یہ طریقہ ہرگز رسول مقبول اور صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کا نہ تھا پھر یہ باتیں اگر بدعت نہیں ہیں تو کیا ہیں اے بھائی مسلمانوں سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی محبت دلوں چماؤ اور بدعت کو چھوڑو —

بیٹ

ہرچہ نہ از قراں طرازی بر قشاں زان آستین * ہرچہ نہ از ایمان بساطی درنورد آن داستاں
اس بیان سے بدعت کے معنی جسمیں یہ تینوں طرح کی بدعتیں آجاویں یہ معلوم ہوئی کہ جو نئی چیز کہ نہ اُسکو اور نہ اُسکی مانند دوسری چیز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے کیا اور نہ اُسکے کرنے کو فرمایا اور نہ حضرت کے وقت میں اُسکو کسی نے اس طرح پر کیا کہ حضرت کو خبر ہوئی مگر حضرت نے منع نہ کیا اور نہ صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کے وقت میں بغیر بُرا جاننے کے اُسکا رواج ہوا پھر خواہ اُس چیز کا سرے سے وجود ہی نہو یا اُسکا وجود تو ہو مگر اس طرح پر اور اس صورت پر اور اُس ڈھنگ پر جس طرح

کہ اب نکلی ہی نہوا ہو اور کوئی شخص اُسکو دین کی بات اعتقاد کر کر بڑے اور اُس کے کرنے اور نکرے میں فائدہ اور نقصان دینی سمجھے یا یوں تو نجانے مگر اُس کو اسی طرح پر برتاؤ میں لاوے جس طرح کہ فائدہ اور نقصان کا اعتقاد رکھنے والے بجاتے ہیں یا جس طرح کہ دین کی باتوں کو برتاؤ میں لاتے ہیں تو وہ چیز بدعت ہی جس کے حق میں رسول مقبول صادق مصدوق نے فرمایا ”ایاکم و محدثات الأمور“ کل محدث بدعة و کل بدعة ضلالة “ یعنی بچو تم نئی باتوں سے کیونکہ جو نئی بات ہی بدعت ہی اور جو بدعت ہی گمراہی ہی اور جس کے حق میں فرمایا ”شر الأمور محدثاتہا“ یعنی بدترین چیزوں کی نئی چیزیں ہیں اب معلوم ہو گیا کہ بدعت کبھی اچھی ہوتی ہی نہیں جو بدعت ہی وہ گمراہی ہی اور بدعت کو حسنہ کہنا بالکل غلطی ہی اس واسطے اب ہم بدعت حسنہ اور سیئہ کی بھی تفصیل بتا دیتے ہیں *

بدعت حسنہ اور سیئہ کا بیان

جاننا چاہو گے کہ بعض عالموں نے بدعت کے یہہ معنی لکھے ہیں ”البدعة ما أحدث علی خلاف الحق المتلقي عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من علم أو عمل أو حال بذوہ شبهة و استحسان وجعل دیناً قویماً و صراطاً مستقیماً کذا فی البحر“ یعنی کتاب بحر الرایق میں لکھا ہی کہ بدعت اُس نئی بات کو کہتے ہیں جو برخلاف ہو اُن سچھی باتوں کے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھی ہیں یہ وہ نئی بات خواہ علم کی ہو خواہ عمل کی خواہ حال کی اور وہ بات کسی شبہ سے نکلی ہو یا اچھا سمجھ کر نکلی ہو اور اُسکو ایک دین اور سیدھا رستہ ٹھہرایا ہو پھر جو بدعت کہ ایسی ہوگی وہ ہمیشہ سیئہ ہی ہوگی اور ایسی بدعت کبھی حسنہ نہیں ہو سکتی اور بعض عالموں نے بدعت کے یہہ معنی بیان کیئے ہیں ”احداث ما لم یکن فی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“ یعنی بدعت نئی بات نکالنی ہی جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں نہ تھی اور پھر اُن لوگوں نے بدعت کے یہہ معنی ٹھہرا کر اُسکی دو قسمیں حسنہ اور سیئہ نکالی ہیں ”کما قال الصحابی فی النہایة البدعة بدعتان بدعة هدی و بدعة ضلالة فاما کان فی خلاف ما امر اللہ به و رسولہ فهو فی حق الفم والکفر و ما کان رافعاً تحت عموم ما نحبہ اللہ و حبس علیہ رسولہ فهو فی حق البدع“ یعنی نہایت جریزی میں لکھا ہی کہ بدعت دو طرح کی ہی ایک تو بدعت حسنہ ہی اور ایک بدعت سیئہ پھر جو بدعت کہ اللہ اور اللہ کے رسول کے حکم کے برخلاف ہی وہ تو بدعت سیئہ ہی اور جو بدعت اُس میں داخل ہی جسکے کرنے کو اللہ اور اللہ کے رسول نے کہا یا رغبت دلائی تو وہ بدعت حسنہ ہی اب غور کرو کہ ان دونوں معنوں میں کچھ فرق نہیں پہلی روایت کا بھی یہی حاصل

ہی کہ جو بات خدا اور خدا کے رسول کے حکم کے برخلاف ہی وہ بُری ہی اور دوسری روایت کا بھی یہی مطلب ہی کہ جو نئی بات خدا اور خدا کے رسول کے حکم کے برخلاف ہی وہ بُری یعنی بدعت سیئہ ہی اور جو برخلاف نہیں وہ بدعت حسنہ ہی پس ان دونوں معنوں میں کچھ فرق نہیں جو باتیں بُری ہیں وہ سب لوگوں کے نزدیک بُری ہیں صرف فرق اتنا ہی کہ بعضی اچھی باتوں کو وہ لوگ سنت میں گنتے ہیں اور یہہ لوگ بدعت حسنہ اُسکا نام رکھتے ہیں لیکن اگر انصاف سے دیکھو کہ جن لوگوں نے بدعت کی دو قسمیں نکالیں ہیں ایک حسنہ اور ایک سیئہ اُن لوگوں سے ان حدیثوں کے معنی سمجھنے میں چوک ہو گئی کیونکہ اُن حدیثوں میں جو لفظ آئے ہیں اُن پر اُن لوگوں نے غور نہیں کیا کہ نئی چیز کس کو کہتے ہیں اور اُس سبب سے نئی چیز کے یہہ معنی سمجھ گئے کہ جو حضرت کے وقت میں نہر حالانکہ نئی چیز کے یہہ معنی ہیں کہ نہ وہ چیز ہو اور نہ اُس کی مانند دوسری چیز چنانچہ ہم اس مطلب کو طرح طرح سے مثالیں دیکر اُپر سمجھا چکے ہیں پس جب اُن لوگوں کو نئی چیز کے معنی سمجھنے میں غلطی پڑی تو لاچار اُنہوں نے بدعت کی دو قسمیں تھرائیں ایک حسنہ اور ایک سیئہ اور یہہ جو صاف صاف رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا قول تھا کہ جو بدعت ہی گمراہی ہی اور بدترین چیزوں کی نئی چیزیں ہیں اُسکی تاویل کرنی پڑی اور اُس کے معنی گھڑنے پڑے اگر وہ لوگ نئی چیز کے معنی بخوبی سمجھ لیتے تو نہ بدعت حسنہ نکالنی پڑتی اور نہ حدیث کے سیدھے سیدھے معنوں کو بدلنا پڑتا مگر الحمد للہ کہ یہاں تک تو مطلب ایک ہی صرف نام کا فرق ہی کہ وہ لوگ جسکو بدعت حسنہ کہتے ہیں ہم اُس کو سنت حکیمہ سمجھتے ہیں مگر ہمارے زمانہ میں لوگوں نے بدعت حسنہ کے اُڑ ہی معنی نکالے ہیں کہ جو آج تک کسی نے نہیں کہے یعنی وہ یہہ بات کہتے ہیں کہ اگرچہ کوئی بات حضرت کے وقت میں یا صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کے وقت میں نہ ہوئی ہو اور وہ نئی نکلی ہوئی ہو مگر اُس میں اچھی اچھی باتیں اور ثواب کے کام ہوتے ہوں تو وہ بدعت حسنہ ہی حالانکہ یہہ نہیں جانتے کہ تمکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر بتائے کہاں سے معلوم ہوا کہ اس بات میں ثواب ہی اور اسی بدعت کے مقابلہ میں ہم کہا کرتے ہیں کہ بدعت کو سی ہی ہو حسنہ یا سیئہ اُس کا چھوڑنا اور اُس سے بیزاری کرنی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر چلنا اور کیسی ہی چھوٹی سنت ہو اُس پر جان دہنی دونوں جہان کی نعمت سے اعلیٰ اور اولیٰ اور افضل ہی کیونکہ سنت پر چلنے سے نور ایمان زیادہ ہوتا ہی اور اللہ کے دربار میں رتبہ بڑھ جاتا ہی اور بدعت کرنے سے ایک سنت اُٹھ جاتی ہی پھر فرض کرو کہ اگر بدعت کرنے میں گو وہ تمہارے نزدیک حسنہ ہی کہوں نہر اگر ہمکو گتھریاں کی گتھریاں چھوڑے

بہر پھر کر ثواب ملتا ہو اور سنت پر چلنے سے ایک تل بہر تو ہمکو وہ تل بہر کافی ہی اور وہ بہت سا ثواب درکار نہیں — بہت

مردمان گویند احمد خیمہ درگزار زن * من گله را دوست میدارم کہ در گزار نیست اور † اُن لوگوں نے جو بدعتِ حسنہ کے یہ غلط معنی سمجھے تو اُس کا سبب یہہ ہی کہ اُن لوگوں کی نگاہ سے وہ حدیثیں گذری ہیں جنکے معنی غلط سمجھے گئے اور بدعتِ حسنہ کے نئے معنی بنائے اس واسطے ہمکو ضرور پڑا کہ اُن حدیثوں کو بیان کر کر اُن کے معنی بھی بیان کر دیں ” عن جریر قال کنا فی صدر النہار عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجماعہ قوم عراة محتاجی النصار اوالعباء متقلدی السیوف عامتہم من مضر بل کلہم من مضر فتمعر رجتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لمارای بہم من العاقۃ فدخل ثم خرج فامر بلا لا فاذن و اقام فصلی ثم خطب فقال یاایہاالناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدة الی آخرالایۃ اناللہ کان علیکم رقیباً و آیتہ التی فی العشر اتقوا اللہ والتنظر نفس ما قدمت لغد تصدق رجل من دینارۃ من درہم من ثوبہ من صاع بڑۃ من صاع تمرۃ حتی قال ولو بشق تمرۃ قال فجماعہ رجل من الانصار بصرۃ کانت کفہ تعجز عنہا بل قد عجزت ثم تتابع الناس حتی رایت کومین من طعام و ثیاب حتی رایت رجۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتہلل کانتہ مذبذبۃ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من سن فی الاسلام سنتہ حسنۃ فلہ اجرہا و اجہ من عمل بہا من بعدہ من غیر ان ینقص من اجرہم شی و من سن فی الاسلام سنتہ سیئۃ کان علیہ ورزہا و ورز من عمل بہا من بعدہ من غیر ان ینقص من اجرہم شی ” یعنی مشکوٰۃ شریف کی کتاب العلم میں جریر سے یہہ حدیث نقل کی ہی کہ اُنہوں نے یہہ بات کہی کہ دو پہر سے پہلے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہم لوگ تھے کہ کچھ لوگ آپ پاس آئے ننگے بدن کنبل لپیٹے ہوئے یا پہنے ہوئے اور گلے میں تلواریں ڈالے ہوئے کہ بہت سے اُن میں کے مضر کے تھے بلکہ سبکے سب مضر کے تھے پس رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ کا رنگ اُنکے فاقہ کا حال دیکھ کر متغیر ہو گیا پھر آپ اُن کے لیئے کچھ لانے کو گھر میں تشریف لے گئے مگر گھر میں کچھ نہ پایا تو پھر پھر تشریف لائے اور بلال کو حکم دیا کہ اُنہوں نے اذان کہی اور تکبیر کہہ کر نماز پڑھی پھر حضرت نے خطبہ پڑھا اور اُس میں یہہ آیت پڑھی اے لوگو تیرے اپنے پروردگار سے جس نے پیدا کیا تمکو ایک جان سے اور اِس آیت کو اخیر تک پڑھا کہ اللہ ہی تمپر

† بدانکہ ہر عبادت موافق سنت اس اُن عبادت مفید تو اس پر اے ازالہ نفس و تہفہ عاصی و حصول قرب الہی لہذا از بدعت حسنۃ مثل بدعت قیچہ اجتہاد می کنند کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمود کل مہدئۃ بدعتۃ و تل بدعتۃ ضلالتۃ پس نتیجہ ایں حدیث آنست کہ کل مہدئۃ ضلالتۃ و بدیعی است کہ لیس صلی اللہ علیہ وسلم و فلا ہی من المہدئۃ ہدایۃ و لیس ہر حدیث آمدہ ان القول لا یقبل ما لم یعدل بہ و کہ ہما لا یقبلان بدون النیۃ والقول والعمل والنیۃ لا یقبل ما لم یوافق السنۃ و ہوی افعال غیر مطابق مہدئۃ مقبول نہاد ثواب پران متوقف نشود (ترجمہ ارشاد اہل البیوت قاضی شیخ ثناء اللہ پانی پتی) -

نگہبان ہی اور پھر سورہ حشر کی آیت پڑھی کہ تَقْرَوُا اللہ سے اور آدمی کو چاہیئے اُس چیز پر نظر کرے جو پہلے کرچکا ہی قیامت کے لیئے پھر فرمایا حضرت نے کہ للہ دے کوئی شخص اپنے پاس سے روپیہ ہی یا اشرفی ہی یا کپڑا ہی یا ایک پیمانہ گھوہن ہی یا ایک پیمانہ کہجور ہی یہاں تک فرمایا کہ للہ دے اگرچہ ٹکڑا کہجور ہی کا ہو اور جنہوں نے یہہ حدیث نقل کی ہی اُنہوں نے کہا کہ پھر ایک شخص انصار میں سے ایک بھری ہوئی اشرفیوں کی یا روپیوں کی تھیلی لایا کہ قریب تھا کہ اُس کا ہاتھ تھک جاوے بلکہ تھک ہی گیا پھر پے درپے لوگوں نے لانا شروع کیا یہاں تک کہ مینے دو گھیر اناج اور کپڑے کے دیکھے یہاں تک کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا کہ گویا سونا پھرا ہوا ہی پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے رواج دیا اسلام میں نیک طریقہ کو تو اُس کے لیئے اُس کا ثواب ہی اور اُس شخص کو جو اُس کے بعد اُس کو کریگا اور اُس کرنے والے کا بھی ثواب کچھ نہیں گھٹنے کا اور جس نے نکالا اسلام میں بُرے طریقہ کو تو اُس پر اُس کا عذاب ہی اور اُس شخص کا جو اُس کے بعد اُس کو کرے اور اُس کرنے والے کا بھی عذاب کچھ نہیں گھٹنے کا **ف** اس حدیث سے ہمارے زمانہ کے لوگوں نے یہہ سند پکڑی ہی کہ جو شخص اچھی بات دین میں نکالے وہ بدعت حسنة ہی اور جو بُری نکالے وہ بدعت سیئہ ہی اور یہہ سمجھے اُن کی بالکل غلط ہی دو وجہ سے ایک تو یہہ کہ وہ لوگ “من سن سنة حسنة” کے یہہ معنی سمجھے ہیں کہ جو شخص اچھی بات نکالے حالانکہ اُس کے یہہ معنی نہیں بلکہ اِس کے معنی یہہ ہیں کہ جو شخص اچھی بات کا رواج دے یعنی وہ بات پہلے سے تو نکلی ہوئی ہو اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کی خوبی بتا دی ہو اور اُس نکلی ہوئی بات کو جو شخص رواج دے اُس کے واسطے یہہ ثواب ہی نہ یہہ کہ اپنی طرف سے کوئی بات نکال کر اور اُس کو اچھا سمجھے کر رواج دے اور ہمنے جو اس حدیث کے یہہ معنی بیان کیئے اِس کی دو دلیلیں ہیں ایک تو یہہ کہ اسی حدیث سے ظاہر ہی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے للہ دینے کا تو حکم دیدیا تھا مگر اس کا رواج باقی تھا پھر جس شخص نے کہ پہلے لاکر دیا اُس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو رواج دیا کہ اُس کی دیکھا داکھی اُوڑ لوگ بھی لائے اِس واسطے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس پہلے شخص کی بڑائی اور اُس کو زیادہ ثواب ملنے کی بشارت دی اب معام ہوگیا کہ اِس حدیث سے کوئی فنی بات نکالنی مراد نہیں بلکہ جو بات کہ حضرت کے اصحاب اور تابعین اور تبع تابعین کے وقت میں نکل چکی ہی اُس کا رواج دینا مراد ہی دوسرے یہہ کہ یہہ قاعدہ ہی کہ ایک حدیث دوسری حدیث کی تفسیر پڑ جاتی ہی اب دیکھو کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اُوڑ حدیث میں یہی بات فرمائی ہی “و عن بلال بن الحارث المزني قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم

من احيي سنة من سنتي بدميت بعدى فان له من الاجر مثل اجر من عمل بها من غير ان ينقص من اجور هم شيئاً و من ابتدع بدعة ضلالة لا يرضها الله و رسوله كان عليه من الامم مثل اثم من عمل بهالا ينقص ذلك من اوزارهم شيئاً“ يعنى مشکوٰۃ شریف کے باب الاعتصام بالسنّة میں بلال ابن حارث مزنی سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ انہوں نے یہ بات کہی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے زندہ کیا یعنی رواج دیا میری ایسی سنت کو کہ مرگئی تھی یعنی چھوٹ گئی تھی میرے بعد تو اُس کے لیئے اُن لوگوں کی مانند ثواب ہے جو اُس سنت پر عمل کریں گے بغیر اُس کے کہ اُن لوگوں کے ثواب میں سے کچھ گھٹے اور جس شخص نے نکالا گمراہی میں سے بدعت کو نہیں راضی ہوتا اُس سے اللہ اور رسول اُس کا ہوگا اُس پر اُس کا گناہ مانند گناہ اُن لوگوں کے جو اُس پر عمل کریں گے بغیر اُس کے کہ اُن لوگوں کے گناہوں میں سے کچھ گھٹے اب غور کرو کہ ان دونوں حدیثوں کا ایک مطلب ہے پہلی حدیث میں فرمایا من سن سنّة حسنة اور دوسری حدیث میں فرمایا من احيي سنة من سنتي اس سے معلوم ہوا کہ من سن کے اور من احيي کے ایک معنی ہیں اور من احيي کے معنی تو رواج دینے اور جاری کرنے کے ہیں تو من سن کے بھی یہی معنی ہوئے اس حدیث سے صاف معلوم ہو گیا کہ جو لوگ من سن کے معنی ذمی بات نکالنے کے سمجھتے ہیں اُنکی سمجھ بالکل غلط ہے مگر ان معنوں میں بعض لوگوں کو ایک شبہ پڑے گا کہ اگر پہلی جگہ من سن فی الاسلام سنّة حسنة کے معنی رواج دینے اور جاری کرنے کے تھے تو دوسری جگہ من سن فی الاسلام سنّة سیدۃ میں من سن کے معنی رواج دینے اور جاری کرنے کے کیونکر ہو سکتے ہیں کیونکہ اگر یہاں بھی من سن کے یہی معنی تھیں تو اسکے یہ معنی ہونگے نہ دین میں جو بُرا طریقہ نکلا ہوا ہے اگر اُس کو کوئی رواج دے یا جاری کرے تو اُس پر یہ عذاب ہے حالانکہ دین میں جتنے طریقے ہیں وہ سب اچھے ہیں دین میں کوئی بُرا طریقہ نہیں پھر اُس کے کیا معنی کہ دین میں جو بُرا طریقہ نکلا ہوا ہے اُس کو رواج دے یا جاری کرے لیکن یہ شبہ اُن لوگوں کی نادانی ہی واسطے کہ خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دیا ہے کہ دوسری جگہ من سن کے معنی رواج دینے کے نہیں ہیں بلکہ یہاں من سن کے معنی ذمی بات نکالنے ہی کے ہیں اُس واسطے اُس دوسری حدیث میں خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے من سن کے مقابل میں تو من احيي فرمایا اور دوسرے من سن کے مقابل من ابتدع فرمایا تو اس سے معلوم ہوا کہ پہلے من سن کے معنی وہ ہیں جو من احيي کے ہیں اور دوسرے من سن کے معنی وہ ہیں جو من ابتدع کے ہیں اور احيي کے معنی تو رواج دینے

اور جاری کرنے کے ہیں اور ابتدع کے معنی نئی بات نکالنے کے تو پہلے من سن کے معنی بھی جاری کرنے اور رواج دینے کے ہوئے اور دوسرے من سن کے معنی نئی بات نکالنے کے اب خیال کرو کہ اس حدیث سے بھی یہی مطلب ثابت ہوا کہ جو بات حضرت کے وقت میں ہو چکی ہی اُس کا رواج دینا اور جاری کرنا اچھا ہے اور نئی بات کا نکالنا بُرا اسیر بعضے نادان اس شبہ میں پڑتے ہیں کہ پہلی حدیث میں بھی دوسری جگہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے وابتدع کا ہی لفظ کیوں نہ فرما دیا جسمیں کچھ شبہ نہ تھا اور یہ بات اُنکی کمال نادانی کی ہی کیونکہ یہ تو بڑی فصاحت کی بات ہی کہ ایک لفظ دو جگہ آوے اور ایک جگہ اُس کے اُڑ معنی ہوں اور دوسری جگہ اور دیکھو اللہ صاحب نے بھی سورۃ البقرہ میں اسطرچ فرمایا وذلك جعلناكم امة وسطا لتكونوا شهداء على الناس ويكون الرسول عليكم شهيدا یعنی اور اسطرچ ہم نے کیا تمکو اُمت چنندہ تاکہ تم سب آدمیوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو اس آیت میں پہلے علی کے تو یہ معنی ہیں کہ اگلی اُمتیں جو بُرا کام کرتی ہیں تو اُنکی بُرائی پر تم گواہ ہو کہ تمہاری گواہی سے انکا نقصان ہوگا جیسے کہا کرتے ہیں کہ فلانے چور پر گواہ گذرگئے یعنی اُس کی چوری ثابت کرنے کو اور اُسکو سزا دلوانے کو چور پر گواہ گذرگئے تو اس سے پہلے علی کے معنی نقصان پونچانے کے ہوئے اور دوسری جگہ جو علی آیا ہی وكون الرسول عليكم شهيدا یعنی تمہاری بھلائی کے لئے رسول تمہارا گواہ ہی جسکی گواہی سے تمکو فائدہ ہوگا تو اس دوسرے علی کے معنی فائدہ پہونچانے کے ہوئے اور یہ بڑی فصاحت بلاغت کی بات ہوئی کہ ایک لفظ دو جگہ آیا پہلی جگہ اُس کے اُڑ معنی تھے اور دوسری جگہ اور معنی اسطرچ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کا لفظ دو جگہ فرمایا کہ پہلی جگہ اُس کے معنی رواج دینے کے تھے اور دوسری جگہ نئی بات نکالنے کے اور اُس کی سند پر دوسری حدیث بیان ہو چکی مگر بعضے آدمی دوسری حدیث میں ایک شبہ نکالتے ہیں کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری حدیث میں فرمایا کہ من ابتدع بدعة ضلالة یعنی جس شخص نے نکالی نئی بات گمراہی کی تو اس سے معلوم ہوا کہ نئی بات دو طرح کی ہوتی ہی ایک نئی بات تو گمراہی کی دوسری نئی بات بھلائی کی تو جو نئی بات گمراہی کی ہی وہ بدعت سیئہ ہی اور جو نئی بات بھلائی کی ہی وہ بدعت حسنہ ہی مگر یہ سمجھ اُنکی بالکل غلط ہی کیونکہ جب پہلی حدیثوں سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ جو نئی بات ہی وہ گمراہی ہی تو اب اس جگہ بھی اس طرح سے معنی بیان کرنے چاہئیں کہ پہلی حدیثوں کی مخالفت نہ ہو اس واسطے بعضے عالموں نے دونوں جگہ زبر پڑھے ہیں یعنی بدعة ضلالة جسکے معنی یہ ہوتے

ہیں کہ بدعت جو گمراہی ہی اور جن عالموں نے ضلالت کا زیر پڑھا ہی تو زیر پڑھنے میں بھی کچھ خرابی نہیں ہوتی کیونکہ زیر پڑھنے میں بھی اُس کے معنی یہ ہونگے کہ گمراہی میں سے بدعت کو یعنی گمراہی کی تو بہت چیزیں ہیں اُن میں سے ایک بدعت بھی گمراہی ہی تو زیر پڑھنے میں بھی وہی مطلب نکلا جو اور حدیثوں سے نکلا تھا *

دوسری وجہ یہ ہے کہ اُس حدیث میں جو حسنہ اور سیئہ کا لفظ ہی اس کے یہ معنی سمجھ لیتے ہیں کہ جو ہمارے نزدیک اچھی ثواب کی بات ہے وہ بدعت حسنہ اور جو ہمارے نزدیک بُری بات ہے وہ بدعت سیئہ ہی مثلاً یہ تو جانتے ہو کہ مُصافحہ کرنا اور کلام اللہ پڑھنا اور آذان دینا اچھی بات ہے اب تم یوں سمجھتے ہو کہ اگر عصر کے بعد بھی مُصافحہ کرنا تھیرالیا یا قبروں کے گرد بھی حلقہ باندھ کر کلام اللہ پڑھا یا مُردہ دفن کرنے کے بعد بھی آذان دے دی تو اس میں کچھ قباحت نہیں بلکہ ثواب کی بات معلوم ہوتی ہے اس واسطے تم نے اُس کو بدعت حسنہ تھیرا دیا ہے اور یہ سمجھ بالکل غلط ہے کیونکہ کسی دین کے کام کی بھلائی بُرائی جب تک کہ شرع سے ثابت نہ ہو جاوے معلوم نہیں ہوتی پھر تم نے جو اپنی عقل سے عصر کے بعد کے مُصافحہ کے التزام کو بھی اور قبروں کے گرد حلقہ باندھ کر کلام اللہ پڑھنے کو یا مُردہ دفن کرنے کے بعد آذان دینے کو یا اسی طرح کی اور بہت سی باتوں کو جو اچھا تھیرا رکھا ہے یہ غلطی ہے کیونکہ جب تک کہ شرع سے نہ ثابت ہو جاوے کسی دین کی چیز کی بھلائی بُرائی معلوم ہی نہیں ہوتی ” قال صاحب المجالس وقد تقرر فی الاصول ان حسن الافعال و قبحها عند اهل الحق انما يعرفان بالشرع لا بالعقل فكل فعل امر به فی الشرع فهو حسن و كل فعل نهى عنه فی الشرع فهو قبيح ” یعنی صاحب مجالس الابرار نے لکھا ہے کہ اصول میں یہ بات تھرچکی ہے کہ بھلائی اور بُرائی کاموں کی حق والوں کے نزدیک شرع ہی سے معلوم ہوتی ہے عقل سے نہیں معلوم ہوتی پھر جس کام کا کہ شرع میں حکم ہو چکا ہے وہ اچھا ہے اور جس کام سے شرع میں منع ہو چکا ہے وہ بُرا ہے ” و قال الامام الغزالي في كتاب الاربعين في اصول الدين اياك ان يتصرف بعقلك و تقول كل ماكان خيراً او فاعلاً فهو افضل و كل ماكان اكثر كان ائتم فان عقاك لا يهتدى الى اسرار الامور الالهية و انما يتعلمها قوة النبي صلى الله عليه و سلم فعلمك بالاتباع فان خواص الامور لا تدرك بالقياس او ماترى كيف نديت الى الصواة و نهيت عنها في جمع النهار وامرت بتركها بعد الصبح والعصر و عند الطلوع والغروب والزوال ” یعنی امام غزالی صاحب نے کتاب اربعین فی اصول الدین میں لکھا ہے کہ بیج تو اپنی عقل پر کام کرنے سے اور اس بات کے کہنے سے کہ جو اچھی اور فائدہ کی بات ہے وہ بہتر ہے اور جو بہت ہی وہ فائدہ مند بہت ہی کیونکہ تیری سمجھ اللہ صاحب کے بہبودن تک کہاں پہنچتی ہے اُن کو

نو فی صلی اللہ علیہ و سلم ہی سمجھتے ہیں پس تجھکو تو تابعداری ہی لازم ہی کیونکہ ان باتوں کی خاصیتیں عقل سے نہیں سمجھی جاتیں تو نہیں دیکھتا کہ نمازوں کے وقت تو آذان دیجاتی ہی اور پھر دن بھر آذان دینے کا حکم نہیں بلکہ پو پھٹنے اور عصر کی نماز ہو چکنے کے بعد نفل پڑھنے کا اور سورج نکلنے اور ٹوہنے وقت اور ٹھیک دو پھر کو نماز پڑھنے تک کا حکم نہیں حالانکہ آذان دینی اور نماز پڑھنی تو ثواب کا کام تھا پھر اگر اپنی سمجھ کو دخل ہوتا تو ہر وقت نماز پڑھنے میں ثواب ہوتا حالانکہ ان وقتوں میں نماز پڑھنی منع ہی اس سے معلوم ہوا کہ اپنی سمجھ میں سمجھ لینا کہ فلاں بات اچھی ہی کسی کام کی نہیں اچھی بات وہی ہوتی ہی جسکو رسول خدا صلی اللہ علیہ و سلم اچھا بتادیں، “و قال فی الاحیاء کما ان العقول تقصر عن ادراک منافع النبیۃ مع ان التجربۃ سیل الیہا کذلک تقصر عن ادراک ما ینفع فی الآخرة مع ان التجربۃ غیر متطرق الیہا و انما یکون ذلک لورجع الیہا بعض الاموات و اخبرونا عن الاعمال المقربۃ الی اللہ تعالیٰ والمیعدۃ عنہ و ذلک محالاً مطمع فیہ“ یعنی اور انہی امام صاحب نے احیاء العلوم میں لکھا ہی کہ جس طرح عقل دواؤں کے فائدے دریافت کرنے میں عاجز ہی باوجودیکہ اُنکا فائدہ دریافت کرنے کو تجربہ کی راہ ہی اسی طرح جو باتیں قیامت میں فائدہ مند ہیں اُنکے معلوم کرنے میں بھی عقل عاجز ہی اور اُس کے ساتھ یہہ ہی کہ اسکے دریافت کرنے کو تجربہ کی بھی راہ نہیں اور تجربہ تو جب ہوتا جب مُردے اُتھ آتے اور ہمکو کہہ جاتے کہ فلاں باتیں تو ثواب کی ہیں اور فلاں باتیں عذاب کی اور مُردے اُتھ آتے کی تو توقع ہی نہیں اب اس سے معلوم ہوا کہ جس چیز کو تم نے اپنے نزدیک اچھا سمجھا ہی اُسکا اچھا سمجھنا ٹھیک نہیں ہی بلکہ اچھا ہونا اور بُرا ہونا اُسی چیز پر بولا جاویگا جو شرع سے ثابت ہوا ہو اب سمجھ لو کہ ان حدیثوں میں جو حسنہ اور سیئہ کے لفظ آئے ہیں اُنسے وہی مراد ہی کہ جسکا اچھا ہونا اور بُرا ہونا شرع میں آچکا ہو پھر جن چیزوں کی بھلائی شرع میں آچکی ہی اُس کے رواج دینے میں ثواب ہی اور جن چیزوں کی بُرائی شرع میں آچکی ہی اُنکے رواج دینے میں عذاب ہی پس اب اگر دونوں جگہ سن کے معنی رواج دینے ہی کے ہوں تو بھی وہی ایک مطلب ہی اس حدیث سے بھی کیسے طرح بدعت حسنہ کے ان معنوں پر جو تم سمجھتے ہو استدلال نہیں ہو سکتا اور دوسری حدیث جس سے ان لوگوں نے بدعت حسنہ کے یہہ معنی کہہ لئیے ہیں وہ یہہ حدیث ہی “ان اللہ تعالیٰ نظر فی قلوب العباد فاختر مَحْمَدُ صلی اللہ علیہ و سلم فبعثہ برسالتہ ثم نظر فی قلوب العباد فاختر له اصحاباً فبعثہم انصار دینہ و وزراء نبیہ فمراہ المسلمون حسناً فہو عند اللہ حسن و ماراہ المسلمون قبیحاً فہو عند اللہ قبیح“ یعنی اللہ صاحب نے اپنے بندوں کے دلوں پر دیکھا پھر مَحْمَد صلی اللہ علیہ و سلم کو چنا پھر اُنکو اپنا رسول کر بھیجا پھر اپنے

بندوں کے دلوں میں نظر کی اور اُنکے لیٹے اصحاب چُنے اور اُنکو اپنے دین کا مددگار اور اپنے نبی کا وزیر ٹھہرایا پھر جسکو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک اچھی ہی اور جس چیز کو بُرا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بُری ہی اس حدیث سے اس زمانہ کے لوگوں نے یہ سمجھا ہی کہ اگرچہ کسی چیز کی اصل پہلے زمانوں میں نہ پائی جاتی ہو مگر جس چیز کو دس مسلمانوں نے اچھا سمجھا وہ بدعت حسنہ ہی اور جس چیز کو بُرا سمجھا وہ بدعت سیئہ ہی اور یہ سمجھ اُن کی بالکل غلط ہی کیونکہ اس حدیث میں جو مسلمانوں کا لفظ آیا ہی اگر اس سے یہ مراد ہی کہ کوئی مسلمان ہو جس چیز کو اچھا جانے وہ اچھی ہی تو یہ معنی صریح غلط ہیں کیونکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا ہی ”ستفترق أمتی علی ثلاث و سبعون ملة کلهم فی النار الا واحدة“ یعنی قریب ہی کہ مہری اُمت مہں تہتر فرقے ہوجاوینگے اور سب کے سب دوزخ میں جاوینگے مگر ایک فرقہ اور جتنی اُمت حضرت کی ہی اُن کے مسلمان ہونے میں تو کچھ شبہ ہی نہیں کیونکہ اگر وہ مسلمان نہوں تو اُمت میں کھیکو رہیں اور ہر ایک فرقہ نے اپنے مذہب کو اچھا جان کر اختیار کیا ہی تو اب چاہیئے کہ کوئی فرقہ دوزخ میں نہ جائے حالانکہ رسول مقبول نے تو خبر کر دی ہی کہ بہتر فرقے دوزخ میں جاوینگے اس سے معلوم ہوا کہ یہاں ہر ایک مسلمان کے اچھے جاننے سے تو مراد نہیں ہی بس تو اب مسلمانوں کے لفظ سے یا تو وہ مسلمان مراد ہیں کہ جن کا ذکر اوپر آچکا ہی یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب یا وہ مسلمان مراد ہیں کہ جو شرع کے احکام کو بخوبی جانتے ہیں اور وہ ائمہ مجتہدین ہیں اور یا وہ مسلمان مراد ہیں کہ جن کے اچھے ہونے کی رسول مقبول نے خبر دے دی ہی کہ وہ صحابہ ہیں اور تابعین اور تبع تابعین پھر جو چیز کہ ان تینوں زمانوں میں مروج ہو گئی ہی نہ اُس کے سنت ہونے میں کسیکو کلم ہی اور جس کو علماء مجتہدین نے کلام اللہ اور حدیث رسول اللہ اور اثار صحابہ پر غور کر کر اپنے اجتہاد سے نکالا ہی نہ اُس کے سنت ہونے میں کسیکو کلم ہی غرضکہ اس حدیث سے بھی یہی بات نکلتی ہی کہ جو بات اُن تینوں وقتوں میں نکل چکی تھی اور یا جسکو ائمہ مجتہدین نے قیاس کر کر نکالا ہی وہ باتیں اچھی ہیں اور تمہاری نکالی ہوئی باتیں مردود ہیں اب غور کرو کہ جن لوگوں نے بدعت حسنہ کے یہ معنی نکالے تھے کہ اگرچہ کسی بات کی اصل حضرت کے وقت میں یا صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کے وقت میں نہ پائی جاوے مگر چار مسلمانوں کی سمجھ کے موافق اُس میں اچھی اچھی باتیں اور ثواب کے کام ہوتے ہوں وہ بدعت حسنہ ہی یہ معنی بالکل غلط ہو گئے غور کرنے کی بات ہی کہ حدیث شریف میں آیا ہی ”لا تجتمع أمتی علی الضلالة“ یعنی مہری اُمت گمراہی پر اکٹھی نہیں ہوتی اور اسی سبب سے اجماع اُمت کا دہل شرعی ہو گیا ہی اُس پر بھی اصول کی کتابوں میں یہ شرط لکائی ہی کہ سند اور دہل اُس

اجماع کی یہی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے چاہیئے تملنے جو دین کی ہر بات میں گھٹانا اور بڑھانا شروع کیا اور کہنے لگے کہ ”ماراۃ المسلمون حسنا فهو عند الله حسن“ یہہ کب ٹھیک ہو سکتا ہی اے بھائی مسلمانوں یہہ سب نفس کی شامت ہی ان باتوں کو چھوڑ اور خاصے ستھرنے سنی مسلمان ہو کر اپنے تئیں مردے کی مانند دریائے شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں ڈالو اور جسطرف اُسکی موجیں لیتاویں بقشوشی چلے جاؤ اپنے ہاتھ پاؤں مٹ علا مبادا کہ لہر پر سے چوک جاؤ اور بہنور میں جا پڑ کہ پھر توب نے کے سوا کچھ چارہ ہی نہیں *

اجماع اُمت کا بیان

ف جاننا چاہیئے کہ سب عالموں کے نزدیک اجماع اُمت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا اُس چیز کے اچھا ہونے کی دلیل ہی مگر لوگ اجماع میں جسکا ذکر شرع میں ہی اور رواج میں قرق نہیں جانتے حالانکہ یہہ بڑی غلطی ہی کیونکہ اجماع اُور چیز ہی اور رواج اُور چیز تفصیل اُسکی یوں ہی کہ بعضے وقت کوئی نئی بات خواہ ظاہر کی ہو خواہ باطن کی کسی سبب سے ہوئی شروع ہوتی ہی اور اُنکے بعد جو اُور لوگ ہوتے ہیں وہ بھی اُنکو کرتے جاتے ہیں یہاں تک کہ اُسپر ایک مدت گذرجاتی ہی اور پھر وہ بات ہر ایک شخص کیا بڑے اور کیا چھوٹے کے ہاں ایسی طرح مقرر ہو جاتی ہی کہ اگر کوئی اُسکو چھوڑے تو اُسکو برا بھلا کہتے ہیں اور جب اُسکی اصل دھونٹتی جاتی ہی کہ یہہ بات کہانسی نکلی تو شرع میں اُسکا ٹھکانا نہیں لگتا تو اسطرح ایک چیز پھول جانے کو رواج کہتے ہیں اس بات کی شرع میں کچھ حقیقت نہیں اور اُسکو اجماع اُمت سمجھنا گمراہی ہی اور بعضے وقت ایسا ہوتا ہی کہ نئی بات پیش آتی ہی اور اُس زمانہ کے علماء مجتہدین اُسکی تلاش کے درپے ہوتے ہیں اور کلام اللہ اور حدیث رسول اللہ اور آثار صحابہ پر غور کر کر اُس بات کا ایک حکم نکالتے ہیں اور جب وہ حکم نکل آتا ہی تو ہر شخص جان لیتا ہی کہ اُس دلیل شرعی سے یہہ حکم نکلا اور اُسی پر عمل درآمد رکھتے ہیں اسطرح سے حکم نکلنے کو اجماع کہتے ہیں جب یہہ بات سمجھ لی تو اب جاننا چاہیئے کہ اُن تینوں زمانوں کے بعد صرف کسی چیز کے مروج ہو جانے سے وہ چیز بدعت سے نہیں نکل جاتی برخلاف اجماع کے کہ جس مسئلہ پر اجماع اُمت ہو جاوے وہ مسئلہ سنت میں داخل ہو جاتا ہی اور اسکا سبب یہہ ہی کہ کلام اللہ سے یہی بات نکلتی ہی کہ جس بات کو مسلمان دین کا حکم سمجھ کر بجا لویں وہی ٹھیک ہی ”کما قال الله تعالى ومن يقات الرسول من بعد ما تبين له الهدى ويتبع غير سبيل المؤمنين قوله ما تولى و كصله جهنم و سامت مصيرا“ یعنی اللہ صاحب نے سورۃ النساء میں فرمایا اور جو کوئی مخالفت کرے رسول سے جب

کہل چکی اُسپر راہ کی بات اور الگ چلے مسلمانوں کی راہ سے حوالہ کریں ہم اُسکو دہی راہ جو اُسنے پکڑی اور قالیں اُسکو دوزخ میں اور بہت بڑی جگہ پہنچا پس اس آیت میں اللہ صاحب نے فرمایا کہ مسلمانوں کی راہ تو اس سے یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ جس راہ کو مسلمانوں نے اپنے اسلام کے سبب اختیار کیا ہو جو سے بولتے ہیں کہ بادشاہ کا حکم یا قاضی کا حکم تو اس سے بھی مراد ہوتی ہے کہ بادشاہ نے اپنی بادشاہت کے سبب اور قاضی نے اپنی قضاوت کے سبب جو حکم دیا ہو وہ حکم بادشاہ کا اور قاضی کا کہلائے گا یا جو سے بولتے ہیں کہ یہہ تو سپاہیوں کی راہ ہے یا یہہ مشایخوں کا طریقہ ہے تو اس سے بھی بات سمجھ میں آتی ہے کہ جس راہ کو سپاہیوں نے اپنی سپہ گری کے سبب اور جس طریقہ کو مشایخوں نے اپنے مشایخ پنے کے سبب اختیار کیا ہو غرض کہ اس آیت میں مسلمانوں کی راہ سے دہی راہ مراد ہے جو مسلمانوں نے اپنے اسلام کے سبب اختیار کی ہو نہ بطور رسم و عادت کے چنانچہ حدیث ”ماراہ المسلمون حسناً فہو عند اللہ حسن“ میں بھی یہی معنی مراد ہیں کہ جس چیز کو مسلمانوں نے اپنے اسلام کے سبب اچھا جانا ہو وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے کہونکہ اس حدیث میں اچھا جاننا فرمایا یہہ نہیں فرمایا کہ جسکا رواج مسلمانوں میں ہو گیا ہو وہ اچھی ہے حاصل یہہ کہ جتنے مسئلے اجماعی ہیں وہ سنت میں داخل ہیں اور جنہی باتیں کہ بطور رواج کے جاری ہو رہی ہیں وہ سب بدعت ہیں پھر اجماع میں اور رواج میں خوب فرق رکھنا چاہیئے *

احتجاج بلا دلیل کا بیان

ف بعضے لوگ اس شبہ میں پڑتے ہیں کہ جو چیز حضرت کے وقت میں نہیں ہوئی اور نہ اُن تینوں وقتوں میں اُسکا رواج ہوا اگر اُسکا کرنا خالصتاً ہو تو اُسکے یہہ معنی ہوئے کہ ایک چیز کا نہونا اُسکی ناجوازی کی دلیل ہوئی حالانکہ اصول کا مسئلہ ہے کہ احتجاج بلا دلیل درست نہیں یعنی کسی چیز کے نہونے پر دلیل پکڑنی درست نہیں ہے مگر یہہ شبہ اُنکا بیجا ہے کیونکہ اصول کی ساری کتابوں میں کسی چیز کے نہونے پر دلیل پکڑنے کو دو طرح پر لکھا ہے ایک یہہ کہ مثلاً ایک بات ہو اور اُسکا ہونا کئی دلیلوں سے ہو سکتا ہو تو ایک دلیل کے نہونے سے اُسکے نہونے پر دلیل نہیں پکڑی جاسکتی مثلاً آدمی کے مرجانے کی بہت سی صورتیں ہیں کہ آدمی بھاری سے بھی مرتا ہے زہر کھا کر بھی مرتا ہے چھت پر سے گر کر بھی مرتا ہے پھر اگر کوئی یوں کہے کہ فلا شخص نہیں مرا کیونکہ چھت پر سے نہیں گرا تو چھت پر سے نگرنے کی دلیل سے اُسکے نہ مرنے کا حکم دینا درست نہیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ شخص بیمار ہو کر مر گیا ہو یا زہر کھا کر مر گیا ہو لیکن اگر کوئی بات ایسی ہو کہ اُسکے لئے ایک دلیل کے سوا دوسری دلیل ہی نہ ہو تو اُسوقت دلیل

کے نہونے پر دلیل پکڑنی البتہ درست ہوگی مثلاً خون کے بدلے پھانسی اسی کو دیجاتی ہے جو خون کرتا ہی پھر اب اگر کوئی یہہ بات کہے کہ فلاں شخص کو خون کے بدلے پھانسی نہیں ملنے کی کیونکہ اُسے خون نہیں کیا تو اب پھانسی نہ ملنے کو خون کے نہونے پر دلیل پکڑنی درست ہوگی کیونکہ پھانسی ملنے کی دلیل تو صرف خون کرنا تھا جب وہ دلیل جاتی رہی تو پھانسی ملانی بھی جاتی رہی غرضکہ اگر کوئی ایسی چیز ہو کہ اُس کے ہونے پر ایک دلیل کے سوا دوسری دلیل ہی نہ ہو تو اُس دلیل کے نہونے پر اُس چیز کے نہونے کے لیئے دلیل پکڑنی اصول کے قاعدوں کے موافق درست ہی اب غور کرو کہ شرع کے جتنے احکام ہیں اُن کے ہونے پر ایک دلیل کے سوا دوسری دلیل نہیں اور وہ دلیل کیا ہی حکم شرع کا یہاں تک کہ مباح چیزیں جنکے کرنے کا بندوں کو اختیار دیا گیا ہی اس میں بھی شرع ہی کا حکم ہی ”کما فی المسلم الاباحۃ حکم شرعی لانہ خطاب الشرع تخصیراً“ یعنی مسلم میں یہہ بات لکھی ہی کہ کسی چیز کا مباح ہونا بھی شرع ہی کا حکم ہی کیونکہ اُس کام کے کرنے نہونے پر شرع کی طرف سے اجازت ہی تو اب جہاں شرع کا حکم پایا جاوےگا اُس کا کرنا درست ہوگا اور جہاں شرع کا حکم نہ پایا جاوےگا اُس کا کرنا درست نہ ہوگا تو اب کہہ سکتے ہیں کہ فلاں بات کرنی درست نہیں کیونکہ شرع میں نہیں آئی تو اب شرع میں نہ آنے کو دلیل پکڑنا درست ہوگا اور یہی سبب ہی کہ تمام فقہ کی کتابوں میں کسی چیز کے شرع میں نہ آنے کو اُس کی ناجوازی کی دلیل پکڑی ہی ”قال صاحب الہدایۃ و ان صلی الولی لم یجز لاحد ان یصلی بعدہ لان الفرض یتادی بالولی والنفل بہا غیر مشروع“ یعنی ہدایہ میں ہی کہ اگر جنازہ کی نماز ولی پڑھا ہو تو اُس کے بعد کوئی نماز نہ پڑھے کیونکہ فرض تو پہلے ادا ہو چکا اور جنازہ کی نفل پڑھنی شرع میں نہیں آئی ”وقال صاحب الہدایۃ یکرہ ان یتنفل بعد الفجر اکثر من رکعتی الفجر لانہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یزددلہا“ یعنی ہدایہ میں لکھا ہی کہ صبح صادق نکلنے کے بعد فجر کی سنتوں کے سوا اور نفل پڑھنا درست نہیں کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے زیادہ نہیں کہا اسی طرح تمام فقہ کی کتابیں یہی پڑی ہیں کہ اگر اُن کو چُنا جاوے تو ایک کتاب بن جاوے *

عدم نقل کا بیان

ف بعضے لوگ اس شبہہ میں پڑتے ہیں کہ جو چیز حدیث میں نہیں آئی تو اُس سے یہہ کیونکہ معلوم ہوا کہ حضرت نے وہ کیا ہی نہیں کیونکہ ہوسکتا ہی کہ حضرت نے کیا ہو مگر اُسکا ذکر کسی حدیث میں نہ آیا ہو تو یہہ اُن کا کہنا ٹھیک نہیں ہی کیونکہ جتنی باتیں ہیں اُن کا نہونا تو ثابت ہی اس سبب سے کہ سب چیز کی اصل میں عدم ہی تو جب تک کہ اُس کا ہونا نہ ثابت ہو جاوے تو اوس کی اصل جو کہ ثابت ہو چکی ہی نہیں فوت ہوسکتی

”کما قال القاري في شرحه قال وعدم وردة لا يدل على عدم وقوعه قلنا هذا امر موجود لان الأصل عدم وقوعه حتى يوجد دليل وردة“ یعنی ملا علی قاری نے مشکوٰۃ شریف کی شرح میں العمل بالنیات کی حدیث کے نہچے لکھا ہی کہ یہہ جو کہتے ہیں کہ حدیث میں نہ آنا اُس بات کے نہونے پر دلالت نہیں کرتا تو ہم کہتے ہیں کہ یہہ بات مردود ہی کیونکہ ہر چیز کی اصل میں تو نہونا ہی جب تک کہ اُس کے ہونے کی دلیل نہائی جاوے ”وقال بعض الافاضل الاصل في التصوات عدم حتى يوجد عللها“ یعنی بعض بڑے عالموں نے لکھا ہی کہ جتنی چیزیں ہونے والی ہیں اُن کی اصل میں نہونا ہی جب تک کہ اُن کے ہونے کی دلیل نہ پائی جاوے اب بغربی چین گیا کہ جن باتوں کا ذکر حدیثوں میں نہیں آیا اُن کا ایسا ہی حکم ہی کہ گریبا حقیقت میں وہ باتیں ہوئی ہی نہیں *

جو بات نہیں ہوئی اُسکے نہ کرنے میں سنت کا بیان

وقت ایک اور بات جان لینی چاہئے کہ جو بات حضرت کے وقت یا اُن تہنوں وقتوں میں ہوئی ہی جس طرح اُن کا کرنا سنت ہی اسی طرح جو باتیں نہیں ہوئیں اُن کا نہ کرنا یعنی اُنکو چھوڑنا یہی سنت ہی ”کما قال صاحب المجالس قالوا كما ان فعل ما فعله رسول الله صلى الله عليه وسلم كان سنة كذلك ترك ما تركه رسول الله صلى الله عليه وسلم مع الوجود المتنضي وعدم المانع منه كان سنة ايضاً“ یعنی صاحب مجالس نے لکھا ہی کہ عالموں نے یہہ بات کہی ہی کہ جس طرح اُس کلم کا کرنا جسکو رسول خدا صلى الله عليه وسلم نے کیا سنت ہی اسی طرح اُس کام کا چھوڑنا جس کو رسول خدا صلى الله عليه وسلم نے نہیں کیا باوجود ہونے حاجت اور نہونے مانع کے سنت ہی ”ثم قال فان عليه السلام لما امر بالاذان في الجمعة دون العيدين كان ترك الاذان فيها سنة“ پھر اس کے آگے لکھا ہی کہ جب پیغمبر خدا صلى الله عليه وسلم نے جمعہ میں اذان دینے کا حکم دیا اور عیدوں میں نہیں دیا تو اب عیدوں میں اذان کا نہ دینا ہی سنت ہی ”وقال القاري والشيخ في شرح المشکوٰۃ والمتابعة كما يكون في الفعل يكون في الترك ايضاً“ یعنی ملا علی قاری اور شیخ عبدالحق نے مشکوٰۃ کی شرح میں لکھا ہی کہ جس طرح تابعداری کام کے کرنے میں ہی اسی طرح نہ کرنے میں بھی ہی تو اب اسی سے معلوم ہوا کہ جو بات حضرت کے وقت میں یا اُن تہنوں وقتوں میں نہیں ہوئی اُسکا چھوڑنا یہی سنت ہی *

خصوصیات کا بیان

وقت یہہ بھی جان لینا چاہئے کہ جیسے حضرت کی اطاعت نہ کرنی اور آپ کی سنت پر نہ چلنا بھست ہی اسی طرح جو باتیں کہ خصوصیات حضرت سے ہیں یا اتفاق سے ہو گئی ہیں یا اسی طرح کی اور بہت سی باتیں جو خاص بعض لوگوں ہی سے متعلق ہیں اُن پر

چلنا بھی بدعت ہی جیسے سو رہنے سے حضرت کا وضو نجانا یا چار نکاح سے سوا حضرت کی ذات پاک کو درست ہونا یا اتفاق سے مشرکوں کی بھی بخشش کی دعا مانگنا یا مفاہق کے جنازہ کی نماز کا پڑھ لہنا یا حضرت کی ازواج مطہرات کو دوسرے نکاح کا امتناع ہونا یا زکوة یا عہد کے گھوڑوں یا اللہ کی مانی ہوئی نذر یا کفارہ کے صدقہ کا بھئی ہاشم اور سادات پر حرام ہونا یا بعض صحابہ اور اہل بیت کے قطعی بہشتی ہونے کا حکم کر دینا یہہ ایسی باتیں ہیں کہ ان پر چلنا بدعت اور گناہ ہی کیونکہ یہہ باتیں خصوصیات سے ہیں یا اتفاق سے بمقتضایہ بھریت ہو گئی ہیں اسی طرح بعضی باتیں اگرچہ صحابہ یا تابعین یا تبع تابعین کے وقت میں ہوئیں مگر اہل حق نے اُسکو برا جانا اور اُسکا بھی رواج نہیں ہوا اور پھر اُسکے بعد کوئی دلیل کلام اللہ اور سنت رسول اللہ یا قیاس مجتہدین یا اجماع اُمت سے اُسپر نہیں ملی تو اُسکا کرنا بھی بدعت ہی سنت نہیں جیسیکہ بزرگوں کے مزاروں سے مدد چاہنی باوجودیکہ حضرت عمر کے وقت میں ایک گنوار نے جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مبارک سے مینہہ برسنے کے لیئے دعا مانگی لہکن جب اُسکا رواج نہوا تو سنت نہ تھی بلکہ بدعت ہی رہا اور اسیواسطے مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب نے اولیاء اللہ کی قبروں سے مدد چاہنے کو گو وہ لوگ حقیقت میں اُنکو واسطہ ہی کرتے ہوں اور اپنی مراد اللہ ہی سے مانگتے ہوں بدعت فرمایا اور بدعت ہونے کا فتویٰ دیا اور اسیطرح حضرت عائشہ سے عورتوں کا قبروں پر جانا اور حضرت ابن عباس سے وضو کے وقت پائوں پر صرف مسح کر لینا یا عبداللہ ابن جعفر سے عود کا بجانا یا سعید ابن المسیب سے بغیر صحبت کے صرف نکاح سے حلالہ کا حلال ہونا یا معاویہ ابن ابی سفیان سے تخت سلطنت پر بیٹھنا اور اسیطرح کی بہت سی باتیں جنکا اُنہی وقتوں میں ہونا آیا ہی مگر اس سبب سے کہ اُنکا رواج نہیں ہوا اور اہل حق نے برا جانا بدعت کی بدعت ہی رہیں پھر ان باتوں پر چلنا اور رواج نہونے کا خیال نہ کرنا عین گمراہی اور اپنے نفس کے موافق باتیں ڈھونڈنے لانی ہیں نعوذ باللہ منہا *

اُن باتوں کا بیان جو بدعت نہیں ہیں

ف بعضی باتیں ایسی ہیں کہ ظاہر میں تو معلوم ہوتا ہی کہ وہ بدعت ہونگی مگر درحقیقت وہ باتیں بدعت نہیں ہیں بلکہ سنت ہیں مثلاً قرآن کا جمع کرنا اور سورتوں کو آگے پیچھے لگانا اور رمضان میں اکٹھے ہو کر تراویح پڑھنی اور جمعہ کو پہلی اذان دینی اور کلام اللہ میں زیر زبر دینے اور حدیثوں اور کلام اللہ کی آیتوں سے کنار مشرکوں اور بدعتیان مضلین کو رد کرنا اور حدیث فقہ کی کتابیں بنانی اور صرف نجات کے قاعدے بقدر ضرورت بنانے اور حدیث کے راویوں کا حال تحقیق کرنا اور کلام اللہ اور سنت رسول اللہ میں سے

مسئلوں کا نکالنا یہہ سب باتیں سنت ہیں کہونکہ یہہ سب باتیں اُن تین زمانوں میں جنکے اچھے ہونے کی رسول مقبول نے خبر کر دی ہی ہے کہتے مروج تھیں اور کوئی ان باتوں کو برا نہ جانتا تھا بلکہ باعث بزرگی اور سبب بڑائی کا جانتے تھے مگر اتنی بات بیشک ہی کہ ہر ایک چیز کی ایک حد اللہ تعالیٰ نے باندھ دی ہی اور ہر ایک چیز کا مرتبہ بنایا ہی کسیکا بڑا اور کسیکا چھوٹا پھر جو کوئی اُس حد سے بڑے جاویگا اور اُس مرتبہ کا خیال نہ رکھیگا البتہ بدعت میں پڑ جاویگا یا مثلاً ائمہ مجتہدین کے مسئلہ نکالے ہوئے کہ فلاں بات واجب ہی یا مندوب یا مباح ہی یا مکروہ یا حرام یا فلاں چیز فلاں چیز کی رکن ہی اور فلاں شرط یا اسطرح پر کہ فلاں کام کرنے سے اُس کام میں پورا ثواب ہوتا ہی یا فلاں بات کرنے سے فلاں بات لازم آجاتی یا فلاں بات کرنے کا یہہ پھل ہی یا فلاں بات فلاں بات کے بر خلاف ہی یا فلاں بات فلاں بات کے بدلے مقرر ہوئی ہی پھر خواہ وہ بات عقاید کی ہو یا دلیکے حالات کی یا ہاتھ پانوں کے کام کاج کی یا عبادت یا عادت یا معاملات کی وہ سب کی سب سنت ہیں کیونکہ ان سب کی اصل شرع میں موجود ہی اور فقہائے مجتہدین اور ائمہ متقدمین شکر اللہ سعیم نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہی سے یہہ احکام نکالے ہیں پھر یہہ نئی چیزیں بھی نہیں ہیں جو بدعت ہوں *

تقلید کا بیان

اور اسطرح ائمہ اربع مجتہدین کی تقلید کرنی بھی سنت ہی بدعت نہیں کیونکہ ان چاروں مذہبوں میں جو اختلاف ہیں وہ اختلاف یا تو صحابہ کے اختلاف ہیں یا ائمہ مجتہدین کے قیاس کے اور اُس میں سے ہر ایک کی تابعداری سنت ہی نہ بدعت البتہ بعضے جاہل جو یوں جانتے ہیں کہ ہمکو کلام اللہ اور سنت رسول اللہ صلعم سے کیا کام ہی ہمکو تو اپنے امام کے قول کی تابعداری چاہیئے یا بعضے یوں کہتے ہیں کہ اگر فرض کرو کہ ایک قول امام کا صریح متخالف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے کسی فتویٰ کی کتاب میں نکل آوے تو ہم نہ کتاب اللہ مانینگے اور نہ سنت رسول کو ہم تو اُسی روایت کو مانینگے یا یہہ کہ اکثر عوام بلکہ خواص بھی بعضے بزرگوں کی نسبت چنکو اللہ تعالیٰ نے اپنے دریائے رحمت سے سہراب کر دیا تھا اور اُنکو اسباب کا ملکہ عنایت کیا تھا کہ روایات اور اختلافات مختلفہ کی دلائل پر غور کر کر اور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر خیال کر کر ایک بات کو ترجیح دے سکتے تھے بلکہ ہزاروں مسئلوں کا استدلال کلام اللہ اور سنت رسول اللہ سے نکال سکتے تھے اور اُنہوں نے کسی مسئلہ میں تاج ائمہ امام الامۃ امام ابوحنیفہ کوفی کی تقلید چھوڑی اور امام شافعی کی تقلید اختیار کر لی یا اور کسی امام کے ائمہ مجتہدین میں سے کسی مسئلہ خاص میں پھر ہو گئے تو اب اُن پر رافضیوں کی طرح تبرا کرنے لگے اور گمراہ اور مردود بنانے لگے اور کافر

اور مرتد کا فتویٰ دینے لگے اور جس طرح ہم لوگ حقارت اور نفرت سے اہل بدعت و اہوا کا نام لیتے ہیں اُسی طرح اُن بزرگوں کا بھی لامذہباً اور بدمذہباً اور گمراہ کر کے نام لینے لگے یا یہ کہ جن لوگوں نے ائمہ مجتہدین کی تقلید کو ایک جزو ایمان کا سمجھ رکھا ہی کہ جب تک لا الہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ نہ کہے مسلمان ہی نہیں ہوتا اُسی طرح جب تک کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے ساتھ اختوت مذهب الحنفی اور الشافعی اور المالکی اور الحنبلی نہ کہے تو مسلمان ہی نہیں ہوتا اور سودھی راہ ہی پر نہیں آتا البتہ اُن لوگوں کی نسبت ایسی تقلید شرکی بدعت ہی ورنہ جس تقلید ائمہ مجتہدین رضوان اللہ علیہم اجمعین پر ہم لوگ سنت و جماعت ہیں یہہ تقلید تو خاصی ستھری ہے کہتے سنت ہی کہ اِس میں کسی کو کچھ کلام ہی نہیں یا مثلاً وہ چیزیں کہ جنکی دین کے کام میں ضرورت پڑتی ہی جیسے کلام اللہ اور حدیث رسول اللہ کے سمجھنے کے لایق عربی کی کتابیں پڑھنی یا صرفیوں کے ہاں جو باتیں حد سے زیادہ مزوج ہیں اُن میں ذکر خفی سے لطایف خمسہ کی تحریک اور یاس انفاس کا حال اور یادداشت رسمی اور ملاحظہ بسوے قلب جس سے حقیقت احسان کے متعلق ہی اور کفار مشرکیں پر جہاد کرنے کے لیئے ہر طرح کے ہتیار اور اُسی طرح کی اور باتیں جو مخالف شرع نہیں ہیں اور صرف اُنکو احکام بجالانے کے لیئے برتا جاتا ہی وہ بھی بدعت نہیں ہیں مگر جب ہی تک کہ کرنے والا اُنکو صرف واسطہ اور آلہ سمجھے لیکن اگر کوئی اُنکو دین کی سی بات سمجھنے لگے تو پھر وہ بھی بدعت ہی میں داخل ہو جاوینگی اب ضرور پڑا کہ اِس مقام پر یہہ بھی بتادیں کہ دین کے کاموں میں کسی چیز کے واسطے یا وسیلہ ہونے کے کیا معنی ہیں تو اب سنو کہ دین کے کاموں کے وسیلے دو طرح پر ہیں *

واسطہ اور وسیلہ کا بیان

ایک تو یہہ کہ وہ وسیلہ خود بھی شرع میں ثواب کا کام ہی جیسے وضو کرنا اور نہانا کہ اگرچہ یہہ دونوں نماز پڑھنے کے لیئے وسیلہ اور واسطہ ہیں مگر یہہ خود بھی ایسی چیزیں ہیں کہ شرع میں اسکی تعریف اُٹی ہی ”قال اللہ تعالیٰ ان اللہ يحب المتوہبین و يحب المتطہرین و قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الطہور شرط الایمان“ یعنی اللہ صاحب نے سورۃ البقرہ میں فرمایا کہ خوش آتے ہیں توبہ کرنے والے اور خوش آتے ہیں ستھرائی والے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہی کہ ستھرائی شرط ایمان کی ہی یا مثلاً کلام اللہ پڑھنا تو اسباب کا وسیلہ ہی کہ اُسکے معنوں پر آدمی غور کرے مگر اُسکا پڑھنا خود بھی ثواب ہی یا مثلاً اعتکاف کرنے سے مقصود جماعت کی نماز ہاتھ لگلی اور اللہ تعالیٰ کی یاد کرنی اور بُری باتوں سے بچنا ہی مگر اعتکاف خود بھی ثواب کا کام ہی اور اسی

طرح اور بہت سی چیزیں شرع میں ایسی ہیں کہ حقیقت تو وہ چیزیں ایک اور کام کا وسیلہ اور واسطہ ہیں مگر وہ باتیں خود بھی ثواب کی ہیں اور انکی فضائی یہ ہے کہ اگر اُن باتوں سے جو مقصود اصلی ہیں قطع نظر کیجائے تو یہ باتیں جو وسیلہ اور واسطہ ہیں ثواب سے خالی نہیں دوسری طرح کی وہ چیزیں ہیں کہ اگرچہ وہ خود تو ثواب کا کام نہیں ہی مگر ایک اور ثواب کی بات ہمارے لئے کو واسطہ اور وسیلہ ہو جاتا ہے مثلاً سفر کرنا حج کے لئے یا مسجد کے جانے کو بازار میں جانا اور ضرر کے لئے کوئیں میں سے پانی کھینچنا اور اسطرح کی ہزاروں باتیں ہیں کہ خود تو ثواب کی بات نہیں ہیں مگر ثواب حاصل ہونے کو واسطہ اور وسیلہ ہوجاتی ہیں کیونکہ اگر اُن مقصودوں سے قطع نظر کی جائے تو نہ سفر کرنے سے کچھ ثواب ملتا ہی اور نہ بازار میں جانے سے اور نہ پانی کھینچنے سے پھر جو شخص ان دوسری طرح کی باتوں کو اسطرح پر کرے جس طرح کہ پہلی باتیں کرتے تھے یعنی اُنکے مقصود اصلی سے قطع نظر کر کر انہیں باتوں کو مقصود تھیرا دیوگا تو یہ باتیں اُسکے حق میں بدعت ہو جائیں گی *

خاتمہ

ایک اور بات بھی سمجھنی چاہئے کہ شرع شریف میں اکثر باتیں ایسی ہیں کہ جنکے حق میں فرما دیا ہی کہ یہ بات شرک کی ہے اور یہ بات کفر کی ہے اور یہ بات منافق بننے کی لیکن کسی خاص شخص کو مشرک یا کافر یا منافق کہنا نہیں چاہئے کیونکہ خاص کسی شخص کو کافر یا مشرک یا منافق کہنے سے یہی بات مراد ہوتی ہے کہ وہ شخص عقیدہ کفر اور شرک اور نفاق کا رکھتا ہے اسطرح ہزاروں باتیں بدعت کی ہیں لیکن اُسکے کرنے والے کو بدعتی نہیں کہہ سکتے کیونکہ جس طرح بعضی باتوں کو شرع شریف میں کفر اور شرک اور نفاق میں گن دینے سے یہ مقصود ہے کہ لوگ اُنکو چھوڑیں اور ان باتوں سے بچیں نہ یہ کہ جس طرح کافروں اور مشرکوں کو سمجھتے ہیں اسطرح اُن باتوں کے کرنے والوں کو بھی سمجھیں اور اُنکا مال لوٹنے اور اُنکے بال بچوں کے پکڑنے میں کچھ دریغ نہ کریں اور اُنکے جنازہ کی نماز پڑھنے اور اُنکی بخشش کی دعا مانگنے میں بھی مضائقہ کریں اسطرح بدعت کی باتیں بتا دینے سے بھی یہی مقصود ہے کہ آدمی اُس سے بچے اور اُن باتوں کو چھوڑے اور جو باتیں کہ سلطنت میں ہیں اُنکو بُرا جانے نہ یہ کہ جو باتیں بدعتوں کے حق میں حدیث میں آئی ہیں جیسے اُنکے اعمال جاتے رہنے اور اُنکی تعظیم و توقیر نہ کریں اور اُنکی بیماری میں خبر نہ پوچھنی یا سلام و علیک نہ کرنی وہی باتیں اُنکے ساتھ بھی کرے کیونکہ وہ سب لوگ بھائی مسلمان ہیں جو بُری باتیں بدعت کی اُن میں ہیں اُنکے چھوڑنے کو اسطرح سمجھائے جس طرح کہ بھائی بھائی کو سمجھاتا ہے

اور ہمیشہ سنت پر چلنے کی ترغیب دیتا رہے اور کیم اخلاقی اور نخوت فرعونی اور تکبر کو چھوڑے اور اپنے تئیں بڑا نیک بخت پرہیزگار اور اُنکو بد بخت بدعتی گنہگار نہ سمجھے کیونکہ یہ باتیں نفسانیت اور ہماہمی کی ہیں اسلام سے ایسی باتوں کو کچھ علاقہ نہیں الہی تو اپنے فضل و کرم سے سیدھی راہ کی ہدایت کر اور جو طریقہ خاص تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی اُسی پر قائم رکھے اور جس طرح زبان سے تو نے سنت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو کہوایا ہی اُسی طرح دل و جان سے اُس پر عمل کرنے اور اُسی پر قائم رہنے کی توفیق دے آمین یا رب العالمین —

جان در قدم تو ریخت احمد * ایں منزلت از خدای میخواست
والحمد لله علی ذلک

تمت بالخیر

دیویو

مورخہ ماہ جولائی سنہ ۱۸۷۹ ع

یہ رسالہ راہِ سنت اُس زمانہ میں لکھا گیا تھا جبکہ وہابیت کا نہایت زور شور سے دلپز اثر چھایا ہوا تھا۔ اگرچہ اس رسالہ کی طرزِ تقریر و بیان میں کچھ فرق ہو مگر دراصل یہ رسالہ جناب مولانا مولوی محمد اسماعیل صاحب کے ایک رسالہ مسمیٰ بہ احقاق الحق الصریح فی احوال الموتی والضریخ سے ماخوذ ہی *

ایک دفعہ جناب مولانا مولوی محمد صدرالدین خاں بہادر مرحوم کی مجلس میں سنتِ بدعت کا تذکرہ ہوا، اور میں نے کہا کہ گو بدعت اعتقاد سے متعلق ہی مگر حکماء عقائد و اعمال دونوں سے علائقہ رکھتی ہی، حتیٰ کہ افعالِ عبادت و عادت و معاملات و کتابت تمام امور سے متعلق ہی۔ مولانا نے فرمایا کہ آنحضرت صلعم نے کبھی آم نہیں کھایا تو تم آم کھانے کو بھی بدعت کہو گے اور آم نکھانے والے کو متبعِ سنت۔ میں نے عرض کیا کہ ہاں، مگر جیسے درجے فرض و واجب و سنت و مستحب و مناج کے اعمال جائز ہیں، اور جیسے حرام و مکروہ تحریمی و مکروہ تازہبی اعمال ناجائز ہیں، اسی طرح بدعت کے بھی درجات ہیں، کفر سے لیکر ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ ترکِ اولیٰ تک، جو چیزیں کہ آنحضرت نے تناول فرمائی ہیں جب اُنکا کھانا غالباً آپ بھی سنت فرماؤینگے، تو جو چیزیں آنحضرت کو ناپسند تھیں اُنکا کھانا مکروہ تو ضرور کہا جاوینگا، اور جو چیزیں اُسوقت میں موجود نہ تھیں اُنکا پسند یا نا پسند ہونا مشتبہ ہی۔ پس آم کھانا مکروہ نہ سہی ترکِ اولیٰ تو ہی، اسلیئے کہ نکھانے میں تو صریح آنحضرت کے ساتھ مطابقت ہی اور کھانے میں امرِ مشتبہ ہی اور اسلیئے ترکِ اولیٰ تو ضرور ہی *

مولانا اس تقریر سے کسقدر خفا ہوئے اور فرمایا کہ تم آم کھانے والوں کو کیا کہتے ہو، میں نے عرض کیا کہ اُن کو تو میں کچھ نہیں کہتا کیونکہ امرِ مشتبہ ہی لیکن اگر آپ نکھانے والوں کی نسبت استفسار فرماویں تو عرض کروں، مولانا نے فرمایا کہ اُنہی کی نسبت کہو، میں نے عرض کیا کہ قسم اُس خدا کی جس کے ہاتھ میں میوہی جان ہی اگر کوئی شخص اس خیال سے آم نکھارے کہ آنحضرت صلعم نے نہیں کھایا تو فرشتے اُسکے بچھونے پر اُسکے قدم چومیں۔ یہ بات میں نے نہایت دلی جوش سے کہی مولانا اسکو سنکر چپ ہو رہے۔ اُسی زمانہ زور و شور وہابیت میں اور اُسی گفتگو کے بعد میں نے یہ رسالہ لکھا *

اخیر کلمہ جسیپر مولاناے مرحوم خاموش ہو رہے اُسکو میں اب بھی ایسا ہی سچ جانتا ہوں جیسا کہ اُسوقت جانتا تھا ، مگر اتنا فرق ہی کہ ایسے شخص کو جسکا ایسا حال ہو آنحضرت صلعم کی محبت میں دیوانہ و مرفوع القلم سمجھتا ہوں ، بشرطیکہ اُسے صرف اُم ہی نکھانے میں یہہ جوش محبت نہ ظاہر کیا ہو بلکہ اور تمام باتوں میں بھی اسی طرح عاشق رسول اللہ اور آپکی ہر بات پر دیوانہ ہو ؛ مگر یہہ ایک خاص حالت ہی مذہب سے اس بات کو کچھ تعلق نہیں *

یہہ باتیں تو ایسی صحبتوں کی یاد گار ہیں جنکی یاد سے آنسو ہور آتے ہیں ، کچا وہ صحبتیں اور کچا وہ مجلسیں ، کہاں وہ آزرہ اور کہاں وہ شہتہ اور کہاں وہ صہبائی ، کہاں وہ علماء اور کہاں وہ صلحا ، صرف یاد ہی یاد ہی ہے ۔ پس مجھکو خود اپنا خیال جو اس رسالہ کی نسبت ہی وہ لکھنا چاہیئے ۔ اگر غرر کیا جاوے تو یہہ رسالہ دو قسموں پر منقسم ہی ، ایک وہ جو عقاید و عبادت سے علاقہ رکھتی ہی جیسکو میں اب مذہب کہتا ہوں — دوسری جو عادت سے اور اور باتوں سے جو دنیاوی اُسور سے متعلق ہیں علاقہ رکھتی ہی ، جیسے کھانا ، پینا ، پہننا ، معاملہ کرنا ، وغیرہ امور تمدنی و معاشرتی ۔ پس جو کچھ میں نے عقاید و عبادت کی نسبت لکھا ہی اُسکو اب بھی میں ویسا ہی برحق سمجھتا ہوں جیسا کہ جب سمجھتا تھا ، باقی امور معاشرت و تمدن کو جو میں نے مذہب میں شامل کر دیا ہی اُسکو صحیح نہیں سمجھتا بلکہ بڑی غلطی جانتا ہوں ۔ اصل یہہ ہی کہ ابتدائے تعلیم سے یہہ خیال جما ہوا تھا کہ مذہب دین و دنیا دونوں سے علاقہ رکھتا ہی ، اور جب یہہ رسالہ لکھا اُسوقت بھی یہی خیال تھا ، پس دین و دنیا دونوں کی باتیں اسمیں ملا دیں — بہت غور و فکر اور اندیشہ نیچ نیچ سمجھنے اور خدا اور خدا کے رسول کے احکام پر خوب فکر کرنے کے بعد دونوں میں تفرقہ معلوم ہوا ہی ، اور یہہ غلطی جو اس رسالہ میں ہوئی ہی کہلی ہی ۔ میں نہایت خوشی سے اقرار کرتا ہوں اور یقین جانتا ہوں کہ دینی اور دنیاوی امور میں تفرقہ نہ کرنا اور دونوں کو برابر مذہبی احکام سمجھنا در حقیقت ایک بڑی غلطی ہی *

نميقة

بيان مسئلة تصور الشيخ

بسم الله الرحمن الرحيم

مؤلفه سده ۱۲۶۹ هجری . مطابق سده ۱۸۵۴ ع

ملاذا ، آنچه در باب تصور شیخ ازیں هیچمدان استفسار رفته منکه ازیں مقام آگاه نیستیم کدام زمزمه توانم سرود و چوں درین وادی گامی نرفته‌ام ازیں نشیب و فراز چه بازتوانم نمود ، کار آگاهان میگویند که این رمزیست که بگفت در نگنجد و به شنیدن راست نیاید تانه بیغی باور نکنی و تا در برنکشی بوصال قوسی این جلوه را به چشم سرنتوان دید و این جاده را بیائے خاکی نتوان برید لذت این باده وجدانی است نه بیانی گفت را درین پرده به خاموشی پناه بردن است و سخن را درین خلوت به سکوت برخوردن درین صورت من کجا و این حرف زدن از کجا - اما چون مرا در بجا آوری او امر بزرگان مجبور داشته اند هرچه از نتایج افکار نارسا ، و ره آورد اندیشه جاده پیمای من است بعرض می آرم و اندک از بسیار می نگارم چون پیش از تحریر مطلب از تمهید مقدمات چند ناگزیر است زبان قلم را بتقریر آن رخصت میدهم که بے بدرقه این رهبرها گام به منزل زدن دشوار و پے به مقصود بردن دور از کار است *

مقدمه اول

از مسلمات کرام و متفق علیه خواص و عوام است که صحبت را اثره هست اگر بانیک بنشیني نیک بر آئی و اگر باید همنشین گردی نقاب از چهره قبح بر کشائی و این معنی است که ازیں سر تا آن سرکس زبان بحرف انکارش نیالاید خواهی از گبر و ترسا باز پرس و خواهی از زاهد و پارسا باز جو و لله در من قال —

صحبت صالح ترا صالح کند

صحبت طالح ترا طالح کند

و ما را حدیث رسول مقبول صلی الله علیه وسلم که دلم خاک راه و جانم فداے فرق آن عرش دستگاه باد درین باب بس است اخرجہ البخاری عن ابی موسی قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم مثل الجلیس الصالح والسوء کتامل المسک و نافع الکبر فتکامل المسک اما ان یحذیک و اما ان تبناع منه و اما ان تجدمنه ریحاطیبه و نافع الکبر اما ان یحرق ثیابک و اما ان تجدمنه ریحاً خبیثه پس در اثر صحبت که انرا به عرف عام فیض صحبت نامند کسی را جای گفت نماند *

مقدمه دوم

هرگاه فیض صحبت را قبول نمودی به بدهات خواهی دانست که این فیض نه در جوارح می شود و نه از جوارح که آنرا بچشم ظاهر می بینی و یک را چشم و یک را دست و یک را پانام می نهی و نه باید که از نابینا هیچ نکشاید و از بے دست و پا هیچ نیاید و این بر باطل است نزد آنکه عالم باشد یا جاهل کسی را که ایزد بے همتا چشم بصورت کشاده باشد از بستگی این دو چشم ابلق چه زیان زاید و کسب که دست گرفته بد قدرت قادر حقیقی باشد از بے دست و پائی ناگام نیاید درین پرده خاک آلود و درین نمود بے بود شاهدیست نورانی که اینهمه نیرنگیهای اوست و این همه بوالعجبیها ازوست این فیض هم ازوست و هم دروست حکماء آنرا به نفس ناطقه میگویند و کبرائے مآ آنرا روح نام گذارند چون این دریافتی دانستی که این فیض صحبت هم از روح است و هم در روح این دست و پا و چشم ظاهر نما را در آن مدخلی نیست *

مقدمه سوم

مسلم جمیع ائم است که تا تحسین فاعل در تو جای نگیرد فعل فاعل در تو اثر نکند و همین تحسین فاعل را بحسب مراتب جداگانه نام نهاده اند سوخته جانان آتش عشق آنرا محبت دانند و آداب دانان طریق ارادت آنرا عقیدت نامند و در حقیقت مدار وصول فیضها بر آنست و ملاک حصول لذتها همان چه نفس ناطقه موثر بمنزله باران رحمت الهی است و نفس ناطقه موثر بمنزله کشت و محبت و موثر با موثر ماده قابل آن تا آن ماده قابل خوراه آنرا محبت خوانی و خوراه عقیدت دانی در تو پیدا نشود صحبتی در تو اثر نکند —
باران که در لطافت طبعش خلاف قیست

در باغ لاله روید و در شور بوم خس

“ عن انس ابن مالک انه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يؤمن احدكم حتى يكون احب اليه من نفسه وولده والناس اجمعين وفي حديث عمر بنت الخطاب يا رسول الله من كلشي الامن نفسي التي بين جنبي فقال له عليه الصلوة والسلام لا تكون مومنا حتى تكون احب اليك من نفسك فقال عمر ولني انزل عليک الكتاب لانت احب الي من نفسي التي بين جنبي فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم الان يا عمر قد تم ايمانک ” ادنی فیض صحبت نبی حصول ایمان کامل است و آن بے حصول صحبت صورت نه بندد صدیق را رضی الله عنه که به بلندی درجات برآشند و آبرو چهل را به پستی درجات افداختند منشأ آن وجود و عدم گوهر شجر اراغ داغ محبت و منزل مقبول بوده است صلى الله عليه وسلم ورنه صحبت آنحضرت را که هر دو

دریافته بودند یکی را که این حبل الیقین بدست آمد به بلند ترین مراتب ترقی کرد و دیگری که این عروة الوثقی را از کف فرو هشت کمترین مرتبه که حصول ایمان کامل است نیز بدست نیامد پس مستفیض را باید که محبت مغیض بر خود واجب داند تا در نفس هر دو مناسبتی پیدا آید و تاثیر و تاثر در هر دو رو نماید و شاید همین مقام را سالکان طریقت فنا فی الشیخ نام نهاده باشند و ارفقه راه مقصود داند که بے وصول این مقام کار بے نیاید و اثر بے رخ نکشاید مابے بصران بسر رشته آیین کار گاه بے برده ایم دیگر کار آگاهان دانند —

رموز مصلحت ملک خسروان دانند

گدائی گوشه نشینی تو احدا مخروش

مقدمه چهارم

اصل اصول بهم رسیدن محبت مغیض تذکر اوست "قال الله تبارک و تعالی فاذکرونی اذکر کم و احادیث بے شمار مثبت این مدعا است که این مختصر کنجای آنرا بر نتابد و این مدعا را به بداهت عقل نیز توان دریافت لیلی را که بر سر معجزین آورد و شیرین را در غم فرهاد که سیاه پوش ساخت مذاق اشیایان عشق مجازی روزی نیست که لذت باگوره تذکر را بکام در نیابند آری این هم آغوشی خیالی و این وصال فکری محبوب را بر سر بازار آورد و آنچنان هم رنگ خود سازد که معشوق تاشق گردد —

عشق آن خانماں خرابی هست

که ترا آورد به خانه ما

و تذکر را خیال مذکر گانه هو لازم است که گاهی ازاں منفک نشود به نفس خود در آید و خیال کن آنگاه میتوانی دریافت که او در دل تو باشد و اوزا به یاد آری و محبت و ذوق و شوق و عشق تو در جوش باشد و صورت خیالیه آن بتعینه و تشخص در خیال تو نباشد حاشا و کلا و همچنان که تذکر مستلزم تصور است همچنان تصور که مستلزم تذکر است باعث محبت میشود فی الحدیث عن حسن ابن علی قال سئلت خالی هند بن ابی هاله و کان و صافا عن حلیة النبی صلی الله علیه وسلم و انا اشتهی ان یصف لی منہا شیئا اتعلق به یعنی محبت گزینم بسبب آن اے بسبب تصور جمال باکمال حضرت صلی الله علیه و سلم هرگاه این مقدمات را دانستی بدان و آگاه باش که حضرات نقشبندیہ ما رضوان الله علیہم اجمعین بهمین مراقبه امر فرموده اند که طالب را تصور شیخ لازم است هم در حال ذکر و هم غیر آن تا به آن تذکر دلی و خیالی محبت شیخ در دل طالب بکوش آید و رفته رفته مرتبه فنا فی الشیخ صورت گیرد و در نفس ناطقه شیخ و طالب مناسبتی پیدا شود تا فیض صحبت و ارشاد در نفس ناطقه طالب جای گیرد و از رزایل پاک و صاف نموده بمطالع

اعلی رساند درین مقام این تصور را هرچه بگویم رواست اگر بگویم که تصور شیخ انبواب رحمت الهی است حق گفته باشم و اگر بدانم که بدون تصور شیخ راهی بجغاب الهی و درگاه رسالت پناهی نمی یابم هم حق دانسته باشم و این محبت شیخ غالب است که دو قسم بوده باشد یکی و هبی و دویم کسبی که بتصور قصدی و تذکر ارادی دست داده باشد ما اول را رابطه میدانم و ثانی را تصور اگرچه در مال هر دو فرقی نیست و آنچه کذابان بربسته اند که این بزرگان در حالت مراقبه شیخ را حاضر و ناظر و عالم و دانا در هر وقت و هر حال میدانند و مراد از مراقبه همین میگویند که شیخ موجود است و بے آله و واسطه ما را می نگرد و از حال ذاکر بے سبب و وسیله واقف و آگاه میشود حاشا که دامن پاک این بزرگان ازین اعتقاد آلوده باشد بل چنانکه دانستی این مراقبه بالکلیه از حال و واردات صحابه و تابعین و تبع تابعین مأخوذ است و اقوال سرور ما و سرور انبیا صلی الله علیه و سلم بر آن دال است و علما هم در خطاب الصلوة و السلام علیک ایها الذبی و رحمة الله و برکاته بهمین معنی تصریح کرده اند پس چگونه بدعت و ممنوع باشد با آنکه این بزرگان این مراقبه را هم آله و واسطه ترقی به اعلی میدانند تا فی الجمله تزکیه نفس بهمیرسد و فنافی الرسول که نصیب کافه مومنان پاک دین باد حاصل آید ما را تعرض با کسی نیست آنچه دانسته ایم ما را کافی است گو نا فهمان سر به سنگ زده باشند و آنچه مولانا اسمعیل علیه الرحمة در صراط المستقیم فرموده اند این هم مقتضای مقامی است که بدانست من بنده کیفیت آن مقام در رگ و پی مولانا سرایت کرده بود و جمله تصانیف شان مبنی بر همان کیفیت اند مع هذا مولانای مرحوم با آنکه نوشتن آنچنان بود خدمت کسانی که مراقبه و مواظبت رابطه و وظیفه شبها روزی شان بود تا نفس واپسین پیشوا و مقتدای خود شان دانسته اند و گاهی راه سوء ظن نسبت به آن بزرگان فرشته *

و السلام علی من اتبع الهدی

ترجمہ

دیباچہ کیمائی سعادت

۴۴

ترجمہ دوسرے فصل

بسم الله الرحمن الرحيم

مولفہ سنہ ۱۲۷۰ ہجری • مطابق سنہ ۱۸۵۳ ع

دیباچہ نوشتہ مترجم

الہی تونے ہم ناچیز اپنے بندوں کو نیست سے ہست کیا اور پھر کن کن نعمتوں اور کیسے کیسے احسانوں سے نوازا آنکھیں دیں ناک دی کان دیئے زبان دی ہاتھ دیئے پانوں دیئے سر سے پانوں تک دیکھو تو ذرا ذرا اور رواں رواں تیری ہی نعمتیں اور تیرے ہی احسان ہیں پھر اس پر بھی تونے بس نکلا تمام عالم کو اپنے ناچیز بندوں کے لیئے پیدا کیا رات بنائی کہ آرام سے سوتے ہیں دن بنایا کہ اپنے کام سے لگتے ہیں پھر دنیا میں کیسی کیسی نعمتیں کھانے اور پینے اور پہننے اور سننے اور دیکھنے کی بنائیں کہ ایک سے ایک اچھی اور نرالی ہی غرضکہ تونے اپنے ناچیز بندوں کے تن بدن اور دل اور جان اور روئیں روئیں کو اپنے احسانوں سے بھر دیا ہی پھر کیونکر تیرے احسانوں کا شکر ادا ہو سکے ایک ادنیٰ غلام ہوتا ہی سچ پوچھو تو اُس کے خاوند کا غلام پر کیا احسان ہی پیدا اُس نے نہیں کیا آنکھ اُس نے نہیں دی ناک اُس نے نہیں دی کان اُس نے نہیں دیئے ہاتھ اُس نے نہیں دیئے پانوں اُس نے نہیں دیئے ہاں البتہ آپ جیسے بندے کو چار پیسے دیکو مول لینے کا نام کیا ہی پھر دن رات اپنی خدمت میں رکھتا ہی ذرا سی تقصیر پر مارتا ہی روٹی نہیں دیتا کپڑا چھین لیتا ہی اُن باتوں پر بھی وہ غلام اپنے خاوند کا حق ادا نہیں کر سکتا تجھ سے مالک کا حق کیونکر ادا ہو کہ رواں رواں تیرا دیا ہوا اور تیرا پالا ہوا ہی اے میرے رب تو تو میرا ایسا پیارا مالک ہی کہ میں دن رات تقصیر پر تقصیر کرتا ہوں اور تو آپ دیکھتا ہی اور کچھ نہیں کہتا نہ ایک دن روٹی بند کی اور نہ کبھی کپڑے چھینے پھر ہم ناچیز تیرے بندے کیونکر نیرا شکر اور تیرا حق ادا کر سکیں ہمارا تجھ پر کچھ حق نہیں اور تو ہم کو دیتا ہی ہمارا تجھ پر کچھ زور نہیں اور تو ہم کو نوازتا ہی ہم نافرمانی کرتے ہیں اور تو مہربانی کرتا ہی سچ ہی کہ خدائی تجبی پر زیبا ہی تیرے سوا اور کسی سے کب ہو سکتا ہی سچ ہی کہ تو ایک خدا ہی بے لگاؤ کہ نہ کسی کا بیٹا اور نہ کوئی تیرا باپ اور نہ کوئی تیرا کذبہ اے میرے اللہ جس طرح کہ تیری رحمت اور مہربانی کی انتہا نہیں اسی طرح بے انتہا اپنی رحمت پیغمبر خدا محمد مصطفیٰ سرور مرسلین رحمت للعالمین پر بھیج جن کے سبب ہم نے تجھ سے خدا کو پہچانا الہی ہم تیری راہ کیا جانتے تھے اور تجھ کو کب

پہچانتے تھے یہ تہرے حبیب کا فضل ہی کہ جو ہم نے اس راہ کو پہچانا اور تیرے نام کو جانا ہمارا دل اور ہماری جان اُنکے نام کے قربان کہ اُنکے سبب ہم گمراہی سے نکلے اور ہم سیدھے رستے پر پڑے —

دل و جانم فدائیت یا محمد * سر من خاک پایت یا محمد

آمین ثم آمین اور اُنکی اولاد پر اور اُنکے بارہی پر بھی اللہ کی رحمت ہو جنہوں نے رسول اللہ کی راہ کو بتایا اور ساری اُمت پر احسان کیا — اما بعد — اگرچہ بہت دنوں سے دل چاہتا تھا کہ ایک ایسی کتاب اُردو زبان میں لکھی جاوے جس سے نفس کو تہذیب اور اخلاق کو آراستگی دل کو نرمی ایمان کو مضبوطی حاصل ہو لیکن مکروہات زمانہ سے یہ بات لیت و لعل میں پڑی تھی اتفاقاً سنہ ۱۲۷۰ ہجری میں حاجی محمد امداد اللہ صاحب دہلی میں تشریف لائے اور انہوں نے کیمائے سعادت کے ترجمہ کو فرمایا اگرچہ دل میں شیطان نے وسوسہ ڈالا کہ اگر اس قسم کا کام کسی بادشاہ امیر وزیر کی فرمائش سے کیا جاتا تو روئے ہاتھ لگتے ان درویشوں کی فرمائش سے محنت میں پڑنا کیا فائدہ اگر اچھے ہوں تو اپنے لیئے ہیں ہم کو کیا مگر پھر خیال میں آیا کہ بزرگوں کی دعا بھی کافی ہی آؤ ہم اُنکے ارشاد بموجب ترجمہ میں محنت کریں اور وہ ہم کو دعاؤں دین الحمد للہ کہ اُنکے ارشاد کی برکت نے اس سے بھی بڑھ کر کام کیا کہ جب میں نے اس کتاب کے ترجمہ کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے میرے دل سے بدلے کی طمع کو مٹا دیا اور اس محنت کو خالص مخلص اپنے لیئے کیا ”انی وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض حنیفاً و ما انا من المشرکین“ الہی جس طرح کہ تو نے میرے دل میں یہ بات ڈالی اس طرح میری اس محنت کو خالص اپنے لیئے قبول کر اور اسکے تمام کرنے کی توفیق دے آمین یا رب العالمین *

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ اصل کتاب

اللہ کی درگاہ میں بہت سا شکر آسمان کے ستاروں اور مہینہ کی بوندوں اور درختوں کے پتوں اور جنگلوں کی ریت اور زمین کے ذروں برابر ہی کہ یکا ہونا اُسکی تعریف ہی اور دبذبہ اور بڑائی اور بزرگی اور شان اُسکا سبھاؤ ہی اُسکی بزرگی کو کوئی نہیں جانتا اور اُسکے سوا اور کوئی اُسکو نہیں پہچانتا اللہ کے پہچاننے میں بزرگوں کے پہچاننے کی انتہا پہچاننے سے عاجز آتا ہی اور اللہ کی تعریف کرنے میں فرشتوں اور پیغمبروں کی تعریف کرنیکی انتہا اُسکی تعریف کرنی اپنے مقدر سے باہر سمجھنا ہی بڑے عقلمندوں کی عقل اُسکی ادنیٰ بات میں حیران رہ جاتا ہی اور اُسکی راہ دہونڈھنے والوں کو اُسکی نزدیکی دہونڈھنا دہشت میں پڑ جاتا ہی اُسکے پہچاننے سے بالکل اُمید توڑنی نادانی ہی اور اُسکے پہچاننے کا دعویٰ کرنا خام خیالی ہی آنکھوں کا حصہ اُسکے جمال سے چکا چوند میں رہ جاتا ہی اور عقل کا حصہ اُسکی عجایب مخلوقات دیکھ کر اُسکو برحق سمجھنا ہی خدا نکرے کہ کوئی شخص اُسکی ذات کی فکر میں پڑے کہ کیونکر ہی اور کیا ہی اور خدا نکرے کہ کوئی دل اُسکی عجایب مخلوقات کے سمجھنے سے غافل رہے کہ کیونکر ہیں اور کسے بنائی ہیں تب یقینی جان لیتا کہ یہ سب اُسکی قدرت کی نشانیاں ہیں اور یہ سب اُسکی بزرگی کا نور ہی اور یہ سب اُسکی حکمت کی عجائبات ہیں اور اُسکی ذات کا پرتو ہی اور جو کچھ ہی اُس سے ہی اور اُسکے سبب سے ہی بلکہ وہ سب آپ ہی کیونکہ اُسکے سوا اور کسی وجود حقیقت میں نہیں بلکہ ہر چیز کا وجود اُسکے وجود کا پرتو ہی اور رحمت اللہ کی ہو پیغمبر خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ سب پیغمبروں کے سردار ہیں اور سب مسلمانوں کو سیدھی راہ بتانے والے اور اللہ کے بھیجیے کے امانت دار ہیں اور اللہ کی درگاہ میں مقبول اور اُنکے یاروں پر اور اُنکے گُذبہ پر بھی اللہ کی رحمت ہو کہ اُنمیں کا ہر ایک اُمت کا سردار ہی اور شریعت کی راہ کا بتانے والا - اما بعد - جاننا چاہیئے کہ آدمی کو کھیلنے اور کودنے کے لیئے پیدا نہیں کیا بلکہ اُسکا کام بہت بڑا ہی اور اُسکا مطلب بہت اُرنچا اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اُسکو نیست سے هست کیا ہی مگر ہمیشہ هست ہی رہیگا اور اگرچہ اُسکے تن بدن کا خمیر ادنیٰ خاک ہی لیکن اُسکی روح بہت اچھی اور پاک ہی اور اگرچہ اُسکی ذات ظاہر میں بُری باتوں سے بھری ہی لیکن اگر عبادت میں اُسکو گُلاؤ

تو پھر سب بُرائیوں سے پاک ہو کر اللہ کے دربار کے لایق ہی اور زمین سے لیکر آسمان تک سب اُسکے تابع دار ہیں ادنیٰ درجہ آدمی کا یہہ ہی کہ جانوروں اور درندوں اور شیطانوں کے سے کام کرے نفس کی خواہش اور غصہ میں پھنس جاوے اور بڑا درجہ آدمی کا یہہ ہی کہ فرشتوں کی سی باتیں پیدا کرے نفس کی خواہش کو چھوڑے غصہ سے بچے اور دونوں کو اپنا تابعدار کر کر آپ اُن پر بادشاہ بنے تب اللہ صاحب کی بندگی کے لایق ہووے کہ اسطرح کا ہونا فرشتوں کی خصلت ہی اور آدمی کے لیئے بہت بڑی مغزلت اور جب آدمی کو اللہ کے دیدار کا مزہ پڑا تو ایکدم بن دیکھے چین نہیں لیتا اور اُسکے دیدار بن اُسکو آرام نہیں ہوتا اور ظاہر کے آرام اُسکے آگے سب ہیچ ہو جاتے ہیں اور جو کہ آدمی کی ذات اللہ صاحب نے بڑی باتوں میں ملی ہوئی پیدا کی ہی تو اُن بڑی باتوں کا نکلنا بغیر عبادت کے ممکن نہیں جسطرح کہ ایسی کیمیا جس سے تانبا اور پیتل سونا بن جاوے مشکل ہی اور ہر کسی کو نہیں آتی اسطرح یہہ کیمیا کہ جس سے آدمی کی ذات بڑی باتوں سے پاک ہو کر فرشتوں کی بزرگی میں جاملے اور ہمیشہ کو چین پاوے مشکل ہی اور اُسکو بھی ہر کوئی نہیں جانتا اس کتاب کے لکھنے سے مقصد یہہ ہی کہ اُس کیمیا کا نسخہ بنا دیا جاوے کہ حقیقت میں ہمیشہ کو چین میں رہنے کی کیمیا یہہ ہی اور اسی سبب سے مینہ اُس کتاب کا نام بھی کیمیائی سعادت رکھا ہی کہ اسکو کیمیا کہنا سچ ہی کیونکہ تانبے اور سونے میں تو بجز زرعی اور چمک کے اور کچھ فرق نہیں اور اُس کیمیا سے دنیا کے عیش و عشرت کے سوا اور کچھ فائدہ نہیں اور جب دنیا ہی چند روز ہی تو اُسکے عیش کی کیا حقیقت ہی اور یہہ کیمیا ہمیشہ کو چین میں رہنے کی ہی کہ اُسکو بھی انتہا نہیں اور اُسکی نعمتوں کو بھی انتہا نہیں اور کسیطرح کے غبار کو اُسکی نعمتوں میں دخل نہیں پھر اس کیمیا کے سوا اور کسی پر کیمیا کا نام رکھنا جھوٹ مت کی بات ہی *

فصل

جاننا چاہیئے کہ جس طرح کیمیا ہر کسی پاس نہیں ہوتی بلکہ بزرگوں اور بادشاہوں کے خزانہ میں ہوتی ہی اسطرح وہ کیمیا کہ جس سے آدمی کی ذات بڑی باتوں سے پاک ہو کر جگہ نہیں ہوتی بلکہ اللہ صاحب ہی کے خزانہ میں ہی اور اللہ صاحب کا خزانہ آسمان میں تو فرشتی ہیں اور زمین میں پیغمبروں کے دل ہیں پھر اگر کوئی اس کیمیا کو پیغمبر صاحب کے دل کے سوا اور کہیں ڈھونڈھے تو جان لو کہ وہ راہ سے بہتک گیا اور انجام کار اُسکا دل کی بیماری ہی آخر حال اُسکا خام خیالی اور قیامت کے دن بڑی خرابی ہوگی اور اُسکے دل کی بیماری کھلیگی اور اُسکی خام خیالوں کی

رسوائی ہوگی پھر کہنے والے کہیں گے کہ اب اُتھادیئے ہمنے تہرے آگے سے تہرے پردے اب نگاہ تیری آج کے دن تیرا ہی اللہ صاحب کی بڑی نعمتوں میں سے ایک یہہ بھی نعمت ہی کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر اسی کام کے لئے اپنے بندوں پاس! بھیجے کہ اس کیمیا کا نسخہ سب کو سکھادیں اور اُن کو بتا دیں کہ دل کو اللہ کی عبادت میں کیونکر بھلاویں اور بُرائی کو اور بُری باتوں کو جو دل پر کا میل ہی کیونکر دل سے دور کریں اور اچھی باتوں کو کیونکر دل میں ڈالیں اسی سبب سے جس طرح کہ اللہ صاحب نے اپنی بُرائی اور پاکی بتائی ہی اسی طرح نبیوں کے بھیجنے پر بھی اپنی بُرائی جتنائی ہی اور سورہ جمعہ میں فرمایا تھی کہ پاکی سے یاد کرتا ہی اللہ کو جو کچھ کہ آسمانوں میں ہی اور جو کچھ کہ زمین میں ہی اور وہ بادشاہ ہی پاک ذات زبردست حکمت والا وہی جس نے بھیجا اُن پڑھوں پر ایک رسول اُنہی میں کا سناتا ہی اُن کو اُسکی نشانیاں اور پاک کرتا ہی اُن کو اور سکھاتا ہی اُن کو کتاب اور حکمت پاک کرنے کے یہہ معنی ہیں کہ بُری باتیں جانوروں کی سی ان میں سے دور کرے اور کتاب اور حکمت کا سکھانا یہہ ہی کہ فرشتوں کی سی باتیں اُن کے دلوں میں ڈالے اور کیمیا سے مطلب یہہ ہی کہ آدمی میں جو بُری باتیں ہیں وہ نہہیں اور جو اچھی باتیں ہیں وہ دلوں میں بیٹھ جائیں اور سب سے بڑی کیمیا یہہ ہی کہ آدمی دنیا سے بھزار ہووے اور اللہ صاحب کی طرف رجوع کرے جیسے کہ اللہ صاحب نے سور مزمل میں پیغمبر صاحب کو سکھایا کہ پڑا نام اپنے رب کا اور رجوع کر اُسکی طرف سب سے الگ ہو کر اور الگ ہونے کے معنی یہہ ہیں کہ سب چیزوں سے توڑے اور اللہ ہی سے جوڑے حاصل اس کیمیا کا تو یہی ہی اور یوں تو تفصیل اسکی بہت لنبی ہی مگر اس کیمیا کا طریق چار چیزوں کا جاننا ہی اور اُسکے رکن چار معاملوں کا کرنا ہی اور ہر ایک رکن کی دس اصلیں ہیں پہلا طریق — یہہ ہی کہ اپنی حقیقت کو جانے دوسرا طریق — یہہ ہی کہ اللہ تعالیٰ کو پہچانے تیسرا طریق — یہہ ہی کہ دنیا کی حقیقت کو جانے چوتھا طریق — یہہ ہی کہ قیامت کی حقیقت کو پہچانے اِن چاروں طریقوں کا جاننا حقیقت میں مسلمان ہونیکے طریق کا جاننا ہی اور اُن رکنوں کے بھی چار معاملے ہیں دو ظاہر سے علاقہ رکھتے ہیں اور دو باطن سے وہ دو جو ظاہر سے علاقہ رکھتے ہیں اُن میں سے پہلا رکن — اللہ کا حکم بجالانا ہی کہ اُسکا نام عبادات ہی دوسرا رکن — ہر کام کے چار آداب ہیں اُن کا لحاظ رکھنا ہی کہ اُسکا نام معاملات ہی اور وہ دو رکن جو باطن سے علاقہ رکھتے ہیں اُن میں سے پہلا رکن — بُری باتوں سے اپنے دل کا پاک کرنا ہی جیسے غصہ سے اور کینجوسی سے اور حسد سے اور غرور سے اور تکبر سے کہ اُس کا نام مہلکات ہی دوسرا رکن — اچھی باتوں سے اپنے دل کا سنوارنا ہی جیسے صبر کرنے سے شکر کرنے سے اللہ کی محبت رکھنے سے اللہ سے اُمید رکھنے سے اللہ پر توکل کرنے سے کہ اُسکا نام منجیات

ہی پہلا رکن - جو عبادات کا ہی اُس میں دس اصل ہیں پہلی - سنیوں کے اعتقاد میں دوسری - علم سیکھنے میں تیسری - ستہرائی میں چوتھی - نماز میں پانچویں - زکوٰۃ میں چھٹی - روزہ میں ساتویں - حج میں آٹھویں - قرآن پڑھنے میں نویں - اللہ کی یاد کرنے اور دعاؤں کے مانگنے میں دسویں - وظیفہ پڑھنے میں دوسرا رکن - جو معاملات کا ہی اُس میں بھی دس اصل ہیں پہلی - کھانے کے ادب میں دوسری - نکاح کے ادب میں تیسری - کسب اور سوداگری کے ادب میں چوتھی - رزق حلال دھونڈھنے میں پانچویں - صحبت کے ادب میں چھٹی - گوشہ نشینی کے ادب میں ساتویں - سفر کے ادب میں آٹھویں - راگ سنے اور حال آنے کے ادب میں نویں - لوگوں کو اچھی باتوں کے سکھانے اور بُری باتوں سے منع کرنے میں دسویں - رعیت پالنے اور حکومت کرنے میں تیسرا رکن - بُری باتوں سے اپنا دل پاک کرنے میں جنکو مہلکات کہتے ہیں اُس میں بھی دس اصل ہیں پہلی - نفس مارنے میں دوسری - بھوک کے مارنے اور عورت کی خواہش کے روکنے میں تیسری - بُری باتوں سے چپ رہنے اور زبان کو براہی سے روکنے میں چوتھی - غصہ اور رشک اور حسد کھونے میں پانچویں - دنیا کی محبت کے چھوڑنے میں چھٹی - مال کی محبت توڑنے میں ساتویں - جاہ اور براہی کی محبت کھونے میں آٹھویں - ریا اور دکھلاوے کی عبادت نہ کرنے میں نویں - مغروری اور تکبر مٹانے میں دسویں - غرور اور غفلت دور کرنے میں چوتھا رکن - منجیبات میں - اُس میں بھی دس اصل ہیں پہلی - گناہوں سے توبہ کرنے میں دوسری - شکر اور صبر کرنے میں تیسری - اللہ کے غضب سے ڈرنے اور اُس کی رحمت سے اُمیدوار رہنے میں چوتھی - فقیری اور زہد کرنے میں پانچویں - سچی اور خالص نیت رکھنے میں - چھٹی - اپنے نفس سے برائیوں کا حساب لینے رہنے اور اُس کے حالات پر غور کرنے میں ساتویں - اللہ تعالیٰ کی عجایب حکمت کے فکر کرنے میں آٹھویں - توکل اور توحید میں نویں - اللہ کی محبت اور شوق میں دسویں - موت کے یاد کرنے اور احوال قیامت کے سوچنے میں - یہ فہرست ہی تمام کتاب کیمیائے سعادت کی اور اس کتاب میں آگے کو ان سب باتوں کی تفصیل آسان عبارت میں آویگی اگر کسی کو اس سے زیادہ تحقیق کرنی ہو تو عربی زبان میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں جیسے احیاء العلوم اور جواہر القرآن اور اسی طرح کی اور کتابوں میں دیکھے کیونکہ اس کتاب سے یہ مطلب ہی کہ ہر ایک اُسکو سمجھ سکے اللہ تعالیٰ اس کتاب کے پڑھنے والوں کی نیت بخیر کرے اور میری نیت کو بھی ریا اور دکھلاوے کی باتوں سے پاک کر کر قبول کرے اور توفیق دے کہ جو کہوں وہی کروں کیوں کہ آپ نہ کرنا اور اوروں کو کہنا بے تاثیر ہوتا ہی اور لوگوں کو کہنا اور آپ اُس پر عمل نہ کرنا قیامت کا وبال ہوتا ہی خدا اُس سے بچا دے *

ابتداء کتاب کی

مسلمانی کے طریق پیدا کرنے میں اور وہ چار طریق ہیں پہلا طریق - اپنے آپ کو پہچاننا ہی - جاننا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے پہچاننے کی جڑ اپنے آپ کا پہچاننا ہی اس واسطے کہا ہی کہ جس نے اپنے آپ کو پہچانا اُسے اللہ کو جانا اور اللہ صاحب نے بھی سورہ فصلت میں فرمایا کہ اب ہم دکھلاویں گے اُنکو اپنی نشانیاں دنیا میں اور اُنکے آپے میں جب تک کہ کھل جاوے اُنپر کہ یہی ٹھیک ہی غرض کہ اپنے آپ سے سوا کوئی چیز تجھ سے نزدیک نہیں ہی پھر اگر تو نے اپنے آپ کو نجانا تو اور کو کیا پہچانے گا اگرچہ تو کہتا ہی کہ میں اپنے تئیں جانتا ہوں مگر یہی غلطی ہی اس طرح کے جاننے سے اللہ کی حقیقت کا پہچاننا نہیں آتا کیونکہ اتنا تو جانور بھی اپنے تئیں جانتا ہی جتنا کہ تو سر اور منہ اور ہاتھ پانوں گوشت پوست ظاہر کا دیکھ کر پہچانتا ہی اور باطن کی تجھ اِسی قدر خبر ہی کہ جب بھوک لگتی ہی روٹی کھاتا ہی اور جب غصہ آتا ہی لڑپڑتا ہی جب عورت کو دل چاہتا ہی جو رو پاس جا سوتا ہی اتنی بات میں تو تمام جانور تیرے برابر ہیں پھر تجھ کو چاہیئے کہ اپنی حقیقت کو ڈھونڈے کہ کہاں سے آیا ہی اور کدھر کو جاویگا اور دنیا میں کس کام کو آیا ہی اور کس دھندے کے لیئے تجھے پیدا کیا ہی اور تیری بھلائی کیا ہی اور کس چیز میں ہی اور تیری بُرائی کیا ہی اور کس چیز میں ہی اور یہ باتیں جو تجھ میں جمع ہیں کہ اُن میں بعضی چرندوں کی ہیں اور بعضی درندوں کی اور بعضی دیوروں کی اور بعضی فرشتوں کی اِن میں سے تو کون ہی اور کون سی بات اصل میں تیری ہی اور کون سی بیگانی تجھ میں اُگتی ہی اگر اس بات کو تو نجانیکا تو اپنی بھلائی ڈھونڈ نہ سکیگا کیونکہ اِن میں سے ہر ایک کی غذا جدا اور ہر ایک کا کام جدا ہی جانور کی غذا اور اُسکا کام دن رات کھانا اور ایندنا اور سونا ہی پھر اگر تو جانور ہی تو دن رات کھانے اور ایندنے اور سونے کی فکر میں رہ اور درندوں کی غذا اور اُنکا کام پھارنا اور چیرنا مارنا اور لٹا ہی اور دیوروں کی غذا اور اُن کا کام فساد کرنا اور سر اُٹھانا اور فریب کرنا ہی پھر اگر تو ان میں سے ہی تو اِن کے کاموں میں مشغول ہو کہ جو اِن کا مطلب ہی وہ تجھکو حاصل ہو اور فرشتوں کی غذا اور اُنکا کام اللہ کے دیدار کا دیکھنا ہی اِسی سبب سے نہ اُن پاس غصہ ہی نہ اُنمیں جانوروں کی سی باتیں ہیں اگر تو بھی اصل میں فرشتہ ہی تو اُس میں کوشش کر کہ اللہ کو پہچانے اور اُسکے دیدار کے دیکھنے کے لائق ہو اور نفس کی خواہش اور غصہ سے بچے اور اسبات کو سمجھے کہ جانوروں اور درندوں کی باتیں تجھ میں کیوں بنائی ہیں کیا اسلیئے بنائی ہیں کہ تجھکو پکڑ کر تجھ سے اپنی خدمت لیویں اور دن رات تجھکو اپنا چاکر بناویں یا اسلیئے بنائی ہیں کہ تو اُنکو پکڑے اور جو موت کا سفر تجھکو کرنا

ہی اُس میں ان سے خدمت لے کسی سے گھوڑے کا کام لے اور کسی سے ہتھیار کا اور چند روز جو یہاں ہی تو بھی اُن سے اپنی خدمت لے تاکہ ان کے سبب تجھ کو بھلائی ملے اور چین سے اپنے اصلی وطن میں چلے آجھ لوگوں کے نزدیک تو وہ وطن دن رات اللہ کے دربار میں حاضر رہنا اور اُس کے دیدار کا دیکھنا ہی اور عوام کے نزدیک بہشت میں جانا ہی غرض کہ یہ باتیں تجھ کو جاننی لازم ہیں تاکہ تھوڑا سا اپنے آپ کو جانے اور جو شخص کہ اتنا بھی نجانیکا دین کی راہ میں اُس کے نصیب پریشانی ہی اور دین کی حقیقت اُس سے پردہ میں ہی *

فصل

اگر آدمی اپنے آپ کو پہچاننا چاہے تو جان لے کہ آدمی کو دو چیزوں سے پیدا کیا ہی ایک تو ظاہر کا بدن ہی کہ آنکھ سے دکھائی دیتا ہی اور ایک اندر کچھ چیز ہی کہ اُس کو روح اور جان کہتے ہیں اور بعض دفعہ جو کہتے ہیں کہ دلیں یہ بات آئی تو اُس دل سے بھی وہی روح اور جان مراد ہوتی ہی اور وہ اندر کی چیز باطن کی آنکھ سے دکھائی دیتی ہی ظاہر کی آنکھ سے نہیں سوجھتی اور وہی اندر کی چیز آدمی کی حقیقت ہی اور اُس کے سوا جو کچھ ہی اُس کے تابع اور نوکر چاکر خدمتگار ہیں اور امام غزالی صاحب نے اُس اندر کی چیز کا دل نام رکھا ہی اور جس جگہ دل کا نام لیکر وہ کچھ بات کہتے ہیں تو وہاں اُن کی مراد آدمی کی اصل حقیقت کی بات کہنی ہوتی ہی اُسی کو روح بھی کہتے ہیں اور جان بھی کہتے ہیں اور امام غزالی صاحب کی مراد اس دل سے ظاہر کا دل جو گوشت کا ٹکڑا آدمی کے بائیں طرف سینہ میں لٹکنا ہی نہیں ہوتی کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ اُس کی کیا حقیقت ہی وہ تو جانوروں اور مردوں کے بھی ہوتا ہی اور وہ تو آنکھ سے بھی دکھائی دیتا ہی اور جو چیز کہ ظاہر کی آنکھ سے دکھائی دیوے وہ تو دنیا کی چیزوں میں سے ایک چیز ہی جس کو عالم ظاہر کہتے ہیں اور جس دل کا وہ ذکر کرتے ہیں وہ عالم ظاہر میں سے نہیں ہی بلکہ یہاں تو مسافروں کی طرح راہ چلتے آٹکا ہی اور یہ ظاہر کا دل گوشت کا ٹکڑا گویا اُس کے سفر کرنیکی سواری ہی اور سب اعضا اُس کے نوکر چاکر خدمتگار ہیں اور وہ سب کا بادشاہ ہی اور اُس کا کام اللہ کا پہچاننا اور اُس کے دیدار کا دیکھنا ہی اور جو اللہ کا حکم ہی اُس کے لئے ہی اور جو گناہ ہوتا ہی اُسی پر ہوتا ہی اور جو عذاب ثواب ہی سب اُسی پر ہی اور اچھا ہونا بُرا ہونا اصل میں اُس کا ہی اور ظاہر کا بدن اُن سب باتوں میں اُس کے تابع ہی غرض کہ اُس اندر کی چیز کا خواہ دل نام لو خواہ جان اور خواہ روح اُس کا جاننا اور اُس کے بھرے گاموں کو پہچاننا اللہ تعالیٰ کے پہچاننے کی جز ہی پھر آدمی کو اس میں کوشش کرنی چاہیئے کہ اُس اندر کی چیز کو جانے کیوں کہ وہ بہت اچھا پاک صاف مروتی ہی اور ذات الہی کے دریا

میں سے نکلا ہی اور یہاں مسافر ہو کر سوداگری کرنے اور کمائی کرنیکو آیا ہی اور انشاء اللہ تعالیٰ جس سوداگری اور کمائی کرنیکو وہ اندر کی چیز یعنی آدمی کی روح دنیا میں آئی ہی اُس سوداگری کرنے اور کمائی کرنیکے معنی آگے معلوم ہووینگے *

فصل

جاننا چاہیئے کہ روح کی حقیقت کا پہچاننا نہیں آتا جب تک یہہ نجانے کہ وہ بیشک موجود ہی اور اُسکی حقیقت کیا ہی اور اُسکے نوکر چاکر کون ہیں اور اُسکو نوکروں چاکروں سے کیا علاقہ ہی اور اُسکا کام کیا ہی اور اُسکو اللہ تعالیٰ کی پہچان کیونکر ہوجاتی ہی اور وہ اس درجہ پر کیونکر پہنچتی ہی اگرچہ اس سب کا حال ہم بتاؤینگے مگر اتنی بات یہیں جان لیني چاہیئے کہ روح کا حقیقت میں موجود ہونا تو ظاہر ہی کس لیئے کہ آدمی کو اپنے ہونے میں کسی طرح کا شک نہیں اور وہ یہہ بھی جانتا ہی کہ میرا ہونا صرف ظاہر کے بدن کا ہونا نہیں ہی کیونکہ ظاہر کا بدن تو مُردہ کے بھی ہوتا ہی مگر جان نہیں ہوتی اور جب وہ جان نہیں ہوتی تو پھر آدمی مردار ہی اور اگر کوئی شخص آنکھ بند کر کر اپنے تن بدن کو بھول جاوے اور آسمان زمین کو بھی بھول جاوے اور جو کچھ آنکھ سے دکھائی دیتا ہی اُسکو بھی بھلا دے تو بھی اُسکو اپنے ہونے میں کچھ شک نہیں ہوتا اور اپنے آپ کو جانتا ہی گو اُسنے آسمان کو اور زمین کو اور جو کچھ کہ اُس میں ہی سبکو بھلادیا ہو اگر کوئی شخص اسی بات پر غور کرے تو تھوڑا سا قیامت کا حال بھی سمجھے اور جان جاوے کہ یہہ بھی ہوسکتا ہی کہ اگر ظاہر کا بدن بھی اُسکا جاتا رہے تو بھی وہ شخص جیسا ہی ویسا ہی رہے *

فصل

جاننا چاہیئے کہ روح کی حقیقت کی جستجو کرنے میں کہ وہ کیا ہی اور کیونکر ہی شریعت کی اجازت نہیں اور اسی سبب سے حضرت پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اُسکی تفصیل بیان نہیں کی اللہ صاحب نے بھی سورہ بنی اسرائیل میں یوں ہی فرمایا کہ روح کا حال جو تجھ سے پوچھتے ہیں اُسے کہدے کہ روح میرے اللہ کا حکم ہی اور اس سے سوا کہ اللہ کے حکموں میں سے یہہ بھی ایک حکم ہی پیغمبر صاحب نے بھی بتانے کا حکم نہیں پایا سچ ہی اللہ ہی کے لیئے پیدا کرنا ہی اور اُسکے لیئے حکم ہی ظاہر کی مخلوق کا عالم اور ہی اور باطن کے حکموں کا عالم جدا ہی جو چیز کہ اندازہ میں اُسکے یا دکھائی دیوے یا خیال میں آوے کہ کتنی ہی اُسکو تو ظاہر کی مخلوق کا عالم کہتے ہیں کیونکہ خلق کے معنی اصل میں اندازہ میں لانیکے ہیں آدمی کے دل کا کچھ اندازہ نہیں

اور نہ یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ کتنا ہی اور اسی سبب سے دو مخالف باتیں اُسمیں جمع نہیں ہوتیں کیونکہ اگر جمع ہو سکتیں تو ممکن تھا کہ دل کا ایک کونا ایک بات کو جانتا ہو اور دوسرا کونا اُسی بات سے ناواقف ہو اور ایک ہی دم میں عالم بھی ہو اور اُسی دم میں جاہل بھی ہو اور یہ بات نہیں ہو سکتی اور باوجودیکہ اس دل میں نہ دوسری بات آسکتی ہے اور نہ اُسکا اندازہ ہو سکتا ہے اس پر بھی اللہ کا پیدا کیا ہوا ہے *

اسقدر ترجمہ لکھا گیا تھا

